شوال ۱۴۲۷ھ نومبر 2006ء

حضرو اٹک: پاکستان

کلمۃ الحدیث حافظ ندیم ظہیر

خطباء کی خدمت میں...

تبلیغِ دین، دعوتِ حق اور اس کی ترویج عظیم فریضہ ہے جسے اہلِ علم اور اہلِ فکر و دانش اپنی بساط کے مطابق ادا کر رہے ہیں۔ چونکہ تحریر کی بہ نسبت تقریر کا براہِ راست عوام کے ساتھ زیادہ تعلق ہوتا ہے جس میں اندازِ بیاں کے ساتھ مقرر و داعی کا اخلاق و کردار بھی گہرے نقوش چھوڑتا ہے لہٰذا اپنے اُن بھائیوں کے لئے جو اس میدان کے شہسوار ہیں ﴿اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ﴾ کے تحت چند کلمات بطورِ نصیحت لکھنے کی سعی کر رہا ہوں۔

ویسے تو رسول اللہ ﷺ کا فرمان: ((بلّغوا عني ولو آية)) مجھ سے (سن کر آگے) پہنچا دو اگرچہ ایک آیت ہی ہو۔ [صحیح بخاری: ۳۴۶۱] بھی اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر طرح سے دعوتِ دین عام کی جائے۔

① خطیب و داعی کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کو دعوت دینے کے ساتھ خود بھی قرآن و سنت پر عمل پیرا ہو اور تمام غیر شرعی اُمور سے کلی طور پر اجتناب کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے معراج والی رات کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے جبریل (علیہ السلام) سے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انھوں نے کہا: یہ آپ کی اُمت کے خطیب (خطباء) ہیں، یہ لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور (نیکی پر عمل کرنے سے) اپنے آپ کو بھلا دیتے تھے حالانکہ یہ کتاب بھی پڑھتے تھے۔ کیا یہ عقل نہیں رکھتے تھے؟ [صحیح ابن حبان، الاحسان: ۵۳ وسندہ حسن لذاتہ، المختارۃ للضیاء المقدسی ۷/۲۰۷ ح ۲۶۴۶]

ایسے خطیب و داعی جو لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں اور خود برائی کا ارتکاب کرتے ہیں، کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ایک آدمی لایا جائے گا پھر اسے (جہنم کی) آگ میں ڈالا جائے گا تو آگ میں اس کی انتڑیاں باہر آ جائیں گی پھر وہ اس طرح گھومے گا جیسے گدھا چکی پر گھومتا ہے۔ جہنمی اس کے پاس اکٹھے ہو کر پوچھیں گے:

اے فلاں ! تجھے کیا ہوا ہے؟ وہ کہے گا: میں نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا، میں تمھیں برائی سے منع کرتا تھا اور خود برائی کرتا تھا۔[صحیح بخاری: ۳۲۶۷، صحیح مسلم: ۲۹۸۹]

② توحید وسنت کی دعوت اور معاشرے کی اصلاح میں حکمت کا پہلو چھوٹنے نہ پائے ایسے ہی شرک وبدعت اور سیئات ومنکرات کا احسن طریقے سے مدلل رد کرنا چاہئے۔

③ خطبے میں قرآن مجید کی آیات سے استدلال فہم سلف صالحین کی روشنی میں کیا جائے اور صرف صحیح احادیث، صحیح آثار اور صحیح تاریخی واقعات باحوالہ پیش کرنے چاہئیں۔ضعیف و موضوع روایات اور بے سند و بے اصل واقعات بیان کرنے سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔موضوع حدیث کو رد اور انکار کے بغیر بیان کرنا جائز نہیں ہے۔[دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۳۱]

منکر، شاذ اور بے اصل روایات کا بھی یہی حکم ہے۔ضعیف وغیر ثابت روایات کے بارے میں راجح یہی ہے کہ انھیں بصیغۂ جزم بیان کرنا جائز نہیں ہے۔دیکھئے قواعد التحدیث للقاسمی ص ۱۱۳، ماہنامہ الحدیث: ۴ ص ۷

بعض لوگ موضوع و من گھڑت روایت یا قصہ متاثر کن انداز میں اور بڑے ترنم سے سامعین کو سنا کر محظوظ کرتے ہیں اور آخر میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ موضوع ہے یہ طریقہ انتہائی غلط ہے۔اگر ضعیف و موضوع روایت بتانا مقصود ہو تو سادہ انداز میں اس کی وضاحت کی جائے اور اس کا رد کیا جائے۔

④ بعض حضرات تقریر کے دوران میں خوب ہاتھوں کو لہراتے ہیں اور کبھی دونوں ہاتھوں کو اکٹھا بہت زیادہ بلند کر دیتے ہیں۔حالانکہ یہ درست نہیں ہے۔

سیدنا عمارہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صرف سبابہ انگلی سے اشارہ فرماتے تھے۔[صحیح مسلم: ۸۷۴، سنن ابی داود: ۱۱۰۴]

⑤ ایسے اندازِ بیاں اور لمبی تقریروں سے اجتناب کرنا چاہیئے جو کہ فائدے کے بجائے تکلیف دہ ثابت ہوں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی اکتاہٹ کا خاص خیال رکھا کرتے تھے۔

[دیکھئے صحیح بخاری: ۶۸، صحیح مسلم: ۲۸۲۱]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے میرے والد عمر رضی اللہ عنہ کو ایک قصہ گو (خطیب) کے بارے میں پیغام بھیجا جو حجرے کے دروازے کے قریب بیٹھتا (اور وعظ کرتا) تھا کہ "اس نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے حتیٰ کہ میں (گھر آنے والوں کی) باتیں بھی نہیں سن سکتی" آپ رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیج کر اس قصہ گو کو منع کیا۔ پھر (ایک دن) اُس نے دوبارہ یہی حرکت کی تو میرے والد عمر رضی اللہ عنہ لاٹھی لے کر کھڑے ہو گئے اور اسے مار مار کر اس کے سر پر لاٹھی توڑ دی۔[تاریخ المدینۃ المنورۃ لعمر بن شبہ ۱/۱۵ وسندہ صحیح]

⑥ فضول اشعار اور پرتکلف ترنم سے احتراز کرنا چاہئے البتہ خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھنا جائز و مستحسن ہے۔

⑦ وعظ با مقصد و مفید ہونا چاہئے، حتی الوسع رطب و یابس سے پرہیز کیا جائے اور ہر بات باحوالہ پیش کی جائے۔ایک دفعہ بشیر بن کعب العدوی رحمہ اللہ حدیثیں بیان کر رہے تھے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا/ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان (مرسل) بے سند روایات کی طرف ذرا برابر توجہ نہ فرمائی۔[مقدمہ صحیح مسلم، ترقیم دارالسلام:۲۱]

⑧ تکبر سے ہر طرح سے بچنا چاہئے، یہ علم و عمل کا دشمن ہے۔ عجز و انکسار اپنانا چاہئے یہ علم و عمل کی ایک راہ ہے اور یہی اہل علم کا شیوہ ہے۔

⑨ اہل سنت (اہلِ حدیث) کے منہج کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور علمائے حق سے رابطہ رکھتے ہوئے کتاب و سنت کی دعوت میں مشغول رہیں۔ حزبیت و پارٹی بازی کی وجہ سے پیدا ہونے والے انتشار، حسد، بغض اور کینہ کو مٹانے کے لئے سرتوڑ کوششیں کریں، تمام صحیح العقیدہ بھائیوں کو ایک جماعت بنائیں۔ خارجیوں اور تکفیریوں کی راہ سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں، کبھی اپنے صحیح العقیدہ بھائیوں کی توہین نہ کریں۔

⑩ جب بندہ اللہ کے لئے مخلص ہو جاتا ہے تو اللہ اپنے بندے کے لیئے آسانیاں پیدا فرماتا ہے اور راستوں کو ہموار کر دیتا ہے لہٰذا ہمیشہ دنیاوی مفاد کے بجائے اُخروی فائدے کو ترجیح دی جائے اور ہر طرح کی حرص اور لالچ کو اسلام کی سربلندی کے لئے خاص کر دیا جائے۔

شیطانی وسوسوں کا علاج

الفصل الثالث

۷۶) عن أنس قال قال رسول اللّٰہ ﷺ : ((لن یبرح الناس یتساء لون حتی یقولوا: ھٰذا اللّٰہُ خلق کلّ شئ فمن خلق اللّٰہَ عزّ وجل ؟))

رواہ البخاري.

(سیدنا) انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ کہیں گے: یہ اللہ ہے جس نے ہر چیز پیدا کی، پس اللہ عزوجل کو کس نے پیدا کیا ہے؟

اسے بخاری (۷۲۹۶) نے روایت کیا ہے۔

ولمسلم: ((قال قال اللّٰہ عزوجل : إنّ أمتک لا یزالون یقولون: ما کذا؟ ما کذا؟ حتی یقولوا: ھٰذا اللّٰہُ خلق الخلق فمن خلق اللّٰہَ عزوجل؟))

مسلم (۱۳۶/۲۱۷) کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: آپ کے اُمتی پوچھتے رہیں گے کہ یہ کیا ہے؟ یہ کیا ہے؟ حتیٰ کہ وہ کہیں گے: یہ اللہ ہے جس نے مخلوق پیدا کی، پس اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟

۷۷) وعن عثمان بن أبی العاص قال قلت: یارسول الله! إنّ الشیطان قدحال بیني وبین صلاتي و بین قراءتي، یلبسھا عليّ، فقال رسول اللّٰہ ﷺ : ((ذاک شیطان یقال لہ خنزب فإذا أحسستہ فتعوذ باللّٰہِ منہ، وا تفل علیٰ یسارک ثلا ثاً))

ففعلت ذلک فأذھبہ اللّٰہُ عني، رواہ مسلم.

(سیدنا) عثمان بن ابی العاص (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! میرے، میری نماز اور قراءت کے درمیان شیطان حائل ہو جاتا ہے، وہ مجھے وسوسے ڈالتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ شیطان ہے جسے خنزب کہتے ہیں۔ اگر تمھیں یہ محسوس ہو تو اللہ کی پناہ مانگو اور بائیں طرف تین دفعہ تھتکار دو۔
(سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:) میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ نے اس شیطان کو مجھ سے دُور کر دیا۔ اسے مسلم (۶۸/۲۲۰۳) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

۱۔ نمازیوں پر جو شیطان مسلط ہے اُس کا نام خنزب ہے۔ غنیۃ الطالبین کی ایک موضوع (من گھڑت) روایت میں ''حدیث'' کا لفظ آیا ہے جو کتابت کی غلطی ہے۔
۲۔ شیطانی وسوسوں سے بچنے کے جو طریقے احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہیں، اُن پر عمل کرنا چاہیئے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان وسوسوں سے محفوظ کر دے۔

۷۸) وعن القاسم بن محمد: أن رجلاً سأله فقال: إني أهم في صلاتي فيكثر ذلك عليّ، فقال له: امض في صلاتك فإنه لن يذهب ذلك عنك حتى تنصرف وأنت تقول: ماأتممت صلاتي، رواه مالك.

قاسم بن محمد (بن ابی بکر رحمہ اللہ) سے کسی آدمی نے کہا: مجھے نماز میں کثرت سے وہم ہوتا ہے۔ قاسم نے کہا: اپنی نماز جاری رکھا کرو کیونکہ یہ اوہام اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک تم نماز سے یہ کہتے ہوئے واپس چلو گے کہ میری نماز پوری نہیں ہوئی۔ اسے مالک (۱/۱۰۰ ح ۲۲۲) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند اس وجہ سے ضعیف ہے کہ اسے امام مالک نے بغیر سند کے روایت کیا ہے۔ یہ روایت بلاغات یعنی منقطع روایتوں میں سے ہے۔

تصنیف: امام ضیاء الدین المقدسی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ و فوائد: حافظ ندیم ظہیر

فضائلِ اعمال

فضائلِ ذِکر:

(**۹۳**) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اولادِ آدم میں سے ہر انسان کے تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، جس نے اللہ عزوجل کی بڑائی، اللہ عزوجل کی تعریف، اللہ عزوجل کی تہلیل (لا الٰہ اِلا اللہ)، اللہ عزوجل کی تسبیح (سبحان اللہ) اور استغفر اللہ کہا اور لوگوں کے راستے سے پتھر یا کانٹے یا ہڈی (وغیرہ) کو ہٹایا اور نیکی کا حکم دیا یا برائی سے روکا تو تین سو ساٹھ جوڑوں کی تعداد کے برابر اس دن چلتا ہے اور (اس نے) اپنے آپ کو (جہنم کی) آگ سے بچالیا۔ [صحیح مسلم: ۱۰۰۷]

فوائد:

اس حدیث میں ذکر کی فضیلت وارد ہے خصوصاً، لا الٰہ الا اللہ، سبحان اللہ اور استغفر اللہ کی اور ان کی اپنے مقام پر وضاحت منقول ہے۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بھی نیکی کو حقیر نہیں جاننا چاہیے اور نہ ادنیٰ سمجھ کر چھوڑنا ہی چاہیے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت بھی مسلّم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں ترغیباً و ترہیباً بہت زیادہ احادیث مروی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم ضرور نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی عذاب بھیج دے۔ پھر تم اس سے دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔ [ترمذی: ۲۱۶۹، حسن]

لہٰذا ذکر الٰہی، راستے کے حقوق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانا چاہیے۔

(۹۴) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہو جاتا ہے جو ایک (وقت کا) کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کرے یا کوئی بھی چیز پی کر اُس کا شکر ادا کرے۔[مسلم:۲۷۳۴]

فوائد:

کھانے پینے کے بعد اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہیے کیونکہ اس سے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے بلکہ رزق میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمھیں اور زیادہ دوں گا۔[ابراہیم:۷]

(۹۵) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو کوئی نعمت عطا کرے اور وہ کہے: ((الحمد لله)) تو اس نے جو دیا وہ اُس سے افضل ہے جو اُس نے لیا۔[سنن ابن ماجہ:۳۸۰۵ و اسنادہ حسن]

فوائد:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کا الحمدللہ کہنا اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ کلمہ الحمدللہ افضل ہے اس نعمت سے جو اللہ نے اپنے بندے کو عطا کی یعنی ذکرِ الٰہی افضل ہے نعمتِ الٰہی سے۔

(۹۶) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس سے گزرے اور وہ (ابو ہریرہ) درخت لگا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! تم کیا چیز لگا رہے ہو؟ میں نے کہا: درخت لگا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کیا میں تجھے ایسے درخت کے بارے میں نہ بتاؤں جو تیرے لئے اس سے بہتر ہے؟ (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے) کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: کہہ ((سبحان الله و الحمد لله و لا إله إلا الله و الله أكبر)) تیرے لئے ہر ایک (کلمے) کے بدلے جنت میں ایک درخت لگایا جائے گا۔

[سنن ابن ماجہ:۳۸۰۷ و اسنادہ ضعیف]

فوائد:

اس روایت کی سند عیسیٰ بن سنان ابو سنان کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ اسے جمہور

محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن مذکورہ کلمات کی فضیلت صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے جیسا کہ حدیث:۸۹ میں گزر چکا ہے۔

(**۹۷**) سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے جلال میں سے جو تم ذکر کرتے ہو (وہ) تسبیح تہلیل اور تحمید ہے۔ (یہ کلمات) عرش کے گرد گھومتے ہیں، شہد کی مکھی کی طرح ان کی بھنبھناہٹ ہے (اور اللہ کے حضور) اپنے کہنے والے کا ذکر کرتے ہیں۔ کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اُس کے لئے (ایسا ہی) ہو یا (کوئی) ہمیشہ اُس کا ذکر (اللہ کے سامنے) کرتا رہے۔ [سنن ابن ماجہ:۳۸۰۹ واسنادہ حسن]

فوائد:

ذکر اور ذاکر کی فضیلت واضح ہو رہی ہے۔

(**۹۸**) سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھ پر اسلام کے قاعدے زیادہ ہو گئے ہیں، آپ مجھے ان میں سے (کوئی ایک) چیز بتا دیں جسے میں (پابندی کے ساتھ) ادا کرتا رہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ [سنن ابن ماجہ:۳۷۹۳ وسندہ حسن، ترمذی:۳۳۷۵]

فوائد:

''مجھ پر اسلام کے قاعدے زیادہ ہو گئے ہیں'' سے مراد نفلی امور ہیں۔ اس سے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ مراد لینا قطعاً غلط ہے جیسا کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ نماز، روزہ ہو یا نہ ہو لیکن ذکر کی محفلوں کو کبھی نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ یاد رہے کہ فرائض کو ترک اور نوافل کی پابندی کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہو سکتا جب تک فرائض کو لازم اور پھر نوافل کا خیال نہ رکھا جائے۔ اس حدیث میں ذکرِ الٰہی کی فضیلت اور اس سے ہمیشہ زبان کو تر رکھنے کی ترغیب بھی ثابت ہو رہی ہے۔

(**۹۹**) سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دیتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قوم بھی اللہ کا ذکر کرتی ہے تو

فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں (اللہ کی) رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے مقرب فرشتوں میں فرماتا ہے۔[صحیح مسلم:۲۷۰۰]

فوائد:

اس حدیث میں مطلقاً ذکر کی فضیلت ہے کہ جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حفظ وامان میں ہوتا ہے اور اللہ اس کا تذکرہ اپنے قریب والوں میں کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے اپنے بارے میں گمان کے مطابق ہوں، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ میرا ذکر اپنے دل میں کرتا ہے تو میں بھی اپنے دل میں اس کو یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر کسی مجلس میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ایسی مجلس میں کرتا ہوں جو اس سے بہتر ہوتی ہے۔[صحیح مسلم:۲۶۷۵، صحیح بخاری:۷۴۰۵]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا۔ [البقرة:۱۵۲]

مذکورہ حدیث سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ ''حلقے بنا کر اجتماعی شکل میں ہُو ہُو کی ضربوں والا ذکر بھی جائز ہے۔''

اس سے قبل کئی مقامات پر اس کی وضاحت ہو چکی ہے کہ ذکر سے مراد یہ لینا کہ ''ضربیں لگائی جائیں'' قطعاً درست نہیں ہے۔ ذکر سے مراد نماز بھی ہے اور تلاوتِ قرآن مجید بھی۔[دیکھئے طٰہٰ:۱۴، النحل:۴۴]

جب یہ معلوم ہو گیا کہ ذکر کا مفہوم محدود نہیں ہے تو پھر کس طرح اس حدیث سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ''حلقے بنا کر ذکر کی ضربیں لگانا جائز ہے'' جبکہ اس کے برعکس سلف صالحین سے اس کی مخالفت بھی ثابت ہو۔ دوسرے یہ کہ صحیح مسلم ہی کی دوسری حدیث میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ما اجتمع قوم في بيت من بيوت الله يتلون كتاب الله ويتدارسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة وغشيتهم الرحمة وحفتهم الملائكة وذكرهم

اللہ فیمن عندہ)) جب کوئی قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد وغیرہ) میں جمع ہوکر قرآن مجید کی تلاوت کرتی ہے اور آپس میں (کتاب اللہ کو) پڑھتی پڑھاتی ہے تو اس پر سکینت نازل ہوتی ہے، اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے اس کو گھیر لیتے ہیں اور اس کا ذکر جو اللہ کے پاس ہیں ان میں ہوتا ہے۔[صحیح مسلم:۲۶۹۹]

معلوم ہوا کہ مجالسِ ذکر سے مراد بدعتیوں کی اجتماعی ذکر والی صوفیانہ مجلسیں نہیں بلکہ تلاوتِ قرآن، تدریس وقراءت اور علم وفقہ کے تذکرے کی مجلسیں ہیں۔ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''یہاں ذکر سے مراد وہ الفاظ ادا کرنا ہے جن کی ترغیب یا کثرت کے بارے میں دلائل موجود ہیں مثلاً الباقیات الصالحات، یہ **((سبحان اللہ))** **((الحمدللہ))** **((اللہ أکبر))** اور **((لا الہ إلا اللہ))** ہیں۔ اسی طرح ان کے موافق **((حسبي اللہ))** اور استغفار وغیرہ کا حکم ہے۔ دنیا اور آخرت کی خیر مانگنا بھی اس میں شامل ہے اور واجب یا مستحب عمل پر ہمیشگی کرنا بھی اللہ کا ذکر ہے مثلاً تلاوتِ قرآن، قراءت حدیث، تدریس علم اور نفل نمازیں'' [تحفۃ الاحوذی ۹/۳۱۴]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین سے حلقے بنا کر ذکر کرنے کی مذمت کے لئے دیکھئے سنن دارمی، البدع والنہی عنہا لابن وضاح اور ''عبادات میں بدعات اور سنت سے ان کارد'' (ص۳۰۹ تا ۳۱۲)

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

مُدرکِ رکوع کی رکعت کا حکم

سوال: کیا مدرکِ رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے؟ مدلل جواب دیں۔ جزاکم اللہ خیراً

[ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی، کراچی]

جواب: اس مسئلے میں علماء کے دو موقف ہیں:

اول: یہ رکعت ہو جاتی ہے۔

دوم: یہ رکعت نہیں ہوتی۔

اول الذکر علماء کے دلائل کا مختصر و جامع جائزہ درج ذیل ہے:

۱) ابو داود (۸۹۳) ابن خزیمہ (۱۶۲۲، وأعله ولم یصححه) حاکم (۲۱۶/۱، ۲۷۳، ۲۷۶) دارقطنی (۳۴۷/۱ ح ۱۲۹۹) اور بیہقی (۸۸/۲) نے

''یحیی بن أبي سلیمان عن زید بن أبي عتاب وسعید المقبري عن أبي ھریرۃ''

کی سند سے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إذا جئتم ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوا شیئًا ومن أدرک الرکعۃ فقد أدرک الصلوٰۃ))

جب تم آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو سجدہ کرو اور اسے کچھ بھی نہ شمار کرو اور جس نے رکعت پالی تو اس نے نماز پالی۔

اس روایت کے راوی یحییٰ بن ابی سلیمان کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا:

''منکر الحدیث'' [جزء القراءۃ: ۲۳۹]

ابن خزیمہ نے فرمایا: ''دل اس سند پر مطمئن نہیں ہے کیونکہ میں یحییٰ بن ابی سلیمان کو جرح یا تعدیل کی رُو سے نہیں جانتا'' [صحیح ابن خزیمہ ۳/ ۵۷، ۵۸ و نصر الباری ص ۲۶۲]

یحییٰ مذکور کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا حاکم کا اس کی روایت کو صحیح کہنا مردود ہے۔

تنبیہ: یہ روایت مدرکِ رکوع کی دلیل نہیں ہے بلکہ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جو رکعت پالے اس نے نماز پالی۔

۲) بیہقی نے ''**عن عبدالعزیز بن رفیع عن رجل عن النبي ﷺ**'' سند سے روایت کیا ہے کہ

((إذا جئتم والإمام راکع فارکعوا وإن کان ساجداً فاسجدوا ولا تعتدوا بالسجود إذا لم یکن معه الرکوع))

جب تم آؤ اور امام رکوع میں ہو تو رکوع کرو اور جب سجدے میں ہو تو سجدہ کرو اور سجدے شمار نہ کرو جب تک ان کے ساتھ رکوع نہ ہو۔ (۸۹/۲)

اس روایت میں '' رجل '' (آدمی) مجہول ہے اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ صحابی ہے۔

تنبیہ: بیہقی کی ایک روایت (۲۹۶/۲) میں ''**سفیان (الثوري) عن عبدالعزیز بن رفیع من شیخ من الأنصار**'' کی سند سے ان الفاظ جیسا مفہوم مروی ہے۔ اس روایت کی سند دو وجہ سے ضعیف ہے:

اول: سفیان ثوری مدلس ہیں اور روایت معنعن ہے۔

دوم: شیخ من الانصار مجہول ہے اور یہ کہنا کہ ''**والصحیح أنه صحابي**'' غلط ہے۔

۳) دارقطنی (۱/۳۴۶ ح ۱۲۹۸) بخاری (جزء القراءۃ: ۲۰۸) ابن خزیمہ (۱۵۹۵) بیہقی (۸۹/۲) عقیلی (۳۹۸/۴) اور ابن عدی (۲۶۸۴/۷) وغیرہم نے

''**یحیی بن حمید عن قرۃ عن ابن شہاب عن أبي سلمة عن أبي ہریرۃ**''

کی سند سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''**من أدرک رکعة من الصلوٰۃ فقد أدرکها قبل أن یقیم الإمام صلبه**''

جس نے امام کے پیٹھ اٹھانے سے پہلے نماز کی رکعت پالی تو اس نے نماز پالی۔

اس روایت کی سند قرہ بن عبدالرحمٰن بن حیویل کی وجہ سے ضعیف ہے۔ قرہ جمہور محدثین کے

نزدیک ضعیف ہے۔ اس روایت کے بارے میں شیخ امین اللہ پشاوری فرماتے ہیں:
''**وسنده ضعيف**'' اور اس کی سند ضعیف ہے۔ [فتاویٰ الدین الخالص ج ۴ ص ۲۱۸]
اس روایت کی ایک دوسری سند ہے جس میں متہم راوی ہے۔ [ایضاً ۲۱۸/۴]
لہٰذا یہ سند سخت ضعیف و مردود ہے۔

٤) بیہقی (۹۰/۲) نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ ''**من لم يدرك الإمام راكعاً لم يدرك تلك الركعة**'' جس نے امام کو رکوع میں نہ پایا اس نے رکعت نہیں پائی۔

اس روایت کی سند میں علی بن عاصم جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح ہے لہٰذا اس روایت کو ''**وإسناده صحيح**'' کہنا غلط ہے۔ اس روایت کی دوسری سند میں ابواسحاق السبیعی مدلس ہیں لہٰذا وہ سند بھی ضعیف ہے۔ جب تک سند صحیح و حسن نہ ہو تو ''**ورجاله موثقون**'' کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

٥) ابن ابی شیبہ (۹۹/۱) طحاوی (۲۲۳/۱) اور بیہقی (۹۰/۲) نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ مدرکِ رکوع کو مدرکِ رکعت سمجھتے تھے۔
اس کی سند صحیح ہے لیکن یہ صحابی کا فتویٰ ہے۔

٦) ابن ابی شیبہ (۲۴۳/۱) نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا فتویٰ نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ مدرکِ رکوع کو مدرکِ رکعت سمجھتے تھے۔

اس روایت کی سند حفص اور ابن جریج کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔
السنن الکبریٰ للبیہقی (۹۰/۲) میں اس کا ایک ضعیف شاہد بھی ہے۔ اس میں ولید بن مسلم ہیں جو کہ تدلیسِ تسویہ بھی کرتے تھے اور سماعِ مسلسل کی تصریح نہیں ہے۔

۷) بیہقی (۹۰/۲) نے زید بن ثابت اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ ''**من أدرك الركعة قبل أن يرفع الإمام رأسه فقد أدرك السجدة**'' جس نے امام کے سر اٹھانے سے پہلے رکوع پا لیا تو اس نے سجدہ پا لیا یعنی رکعت پا لی۔

اس روایت کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام مالک نے یہ نہیں بتایا کہ انھیں یہ روایت کس ذریعے سے پہنچی ہے۔ اس موقوف روایت کی دیگر سندیں بھی ہیں۔

ان آثار کے مقابلے میں امام بخاری فرماتے ہیں:

''حدثنا عبید بن یعیش قال: حدثنا یونس قال: حدثنا (ابن) إسحاق قال: أخبرني الأعرج قال سمعت أباهریرة رضي الله عنه یقول: لایجزئک إلا أن تدرک الإمام قائماً قبل أن ترکع''

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیری رکعت اس وقت تک جائز نہیں ہوتی جب تک تو رکوع سے پہلے امام کو حالتِ قیام میں نہ پالے۔

[جزء القراءۃ:۱۳۲ وسندہ حسن، نصر الباری ص ۱۸۲، ۱۸۳]

ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لا یرکع أحد کم حتٰی یقرأ بأم القرآن''

سورۂ فاتحہ پڑھ لینے کے بغیر تم میں سے کوئی بھی رکوع نہ کرے۔ [جزء القراءۃ:۱۳۳ وسندہ صحیح]

معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں صحابۂ کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ جب اختلاف ہو جائے تو کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔

۸) ابن ابی شیبہ (۲۵۶/۱ ح ۲۶۳۱) نے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا کہ وہ رکوع میں چلتے چلتے صف میں شامل ہو جاتے تھے۔

اس روایت کی سند ابن تمیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

تنبیہ: اس روایت کا مدرکِ رکوع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۹) بیہقی (۹۰/۲) نے ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ وہ رکوع میں چلتے ہوئے صف میں شامل ہو گئے۔ یہ سند تدلیسِ تسویہ کرنے والے ولید بن مسلم کی تدلیس اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث کے انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یہ کہنا کہ انھوں نے زید بن ثابت سے یہ روایت لی ہے، بے دلیل ہے۔

۱۰) مسند احمد (۴۲/۵ ح ۲۰۴۳۵) میں آیا ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ رکعت ملنے کے لئے چل کر

آئے تھے۔اس روایت کی سند بشار بن عبدالملک الخیاط المزنی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسے ''سندہ حسن'' کہنا غلط ہے۔بشار کو ابن معین نے ضعیف کہا اور سند کے اتصال میں بھی نظر ہے۔

۱۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ سعید بن المسیب ،میمون اور شعبی (تابعین) اس کے قائل تھے کہ مدرکِ رکوع مدرکِ رکعت ہوتا ہے۔[دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۳،۲۴۴]

تابعین کے یہ آثار سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے آثار اور مرفوع احادیث کے عموم کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔

۱۲) طبرانی نے سیدنا علی بن ابی طالب اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ جو رکوع نہ پائے تو وہ سجدہ شمار نہ کرے۔

یہ آثار باسند صحیح ثابت نہیں ہیں۔

۱۳) ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تبادروني بركوع ولا بسجود فإنه مهما أسبقكم به إذا ركعت تدركوني به إذا رفعت وإني قد بدنت))

مجھ سے پہلے رکوع اور سجدے نہ کرو۔پس بے شک میں جتنا تم سے پہلے رکوع کروں گا تو تم مجھے اس کے ساتھ پالو گے جب میں سر اٹھاؤں گا، میرا بدن بھاری ہو گیا ہے۔[سنن ابی داود:۶۱۹ وسندہ حسن]

یہ روایت مدرکِ رکوع کی دلیل نہیں ہے مگر عینی حنفی نے اسے اپنے دلائل میں پیش کر دیا ہے۔دیکھئے عمدۃ القاری (۱۵۳/۳)!

۱۴) ابن ابی شیبہ (۲۴۲/۱) نے عروہ بن الزبیر (تابعی) اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ دونوں جب امام کو رکوع میں پاتے تو دو تکبیریں کہتے، ایک تکبیرِ افتتاح دوسری تکبیرِ رکوع۔یہ روایت زہری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور ادراکِ رکوع کی دلیل نہیں ہے۔

۱۵) ابن ابی شیبہ (۲۵۵/۱) نے محمد بن سیرین سے نقل کیا کہ ابو عبیدہ (بن عبداللہ

بن مسعود) آئے اور لوگ رکوع میں تھے تو وہ چل کر صف میں شامل ہو گئے اور بیان کیا کہ ان کے والد نے ایسا ہی کیا تھا۔

یہ روایت منقطع ہے کیونکہ ابوعبیدہ نے اپنے والد سے کچھ نہیں سنا۔

۱۶) ایک روایت میں آیا ہے کہ

''عبدالعزیز بن رفیع عن ابن مغفل المزني قال قال النبي ﷺ:

((ولا تعتدوا بالسجود إذا لم تدركوا الركعة))

[مسائل احمد واسحاق ۱۲۷/۱، الصحیحۃ: ۱۱۸۸]

اس روایت میں اگر ابن مغفل سے مراد عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہ ہیں تو ان سے عبدالعزیز بن رفیع کی ملاقات کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور اگر شداد بن معقل ہیں تو یہ سند منقطع ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس سلسلے کی تمام مرفوع روایات بلحاظِ سند ضعیف ہیں۔

رہے آثارِ صحابہ تو ان میں اختلاف ہے۔

دوم: جو علماء کہتے ہیں کہ مدرکِ رکوع کی رکعت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے دو فرض رہ گئے ہیں:

① قیام ② سورۂ فاتحہ

ان لوگوں کا قول حق بجانب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لا تفعلوا إلا بأم القرآن فإنه لا صلٰوة لمن لم يقرأ بها))

سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھو کیونکہ جو اُسے نہیں پڑھتا تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔

[کتاب القراءۃ للبیہقی: ۲۲۱ وسندہ حسن، وصححہ البیہقی / نافع بن محمود ثقہ وثقہ الدارقطنی والبیہقی وابن حبان وابن حزم والذہبی وغیرہم]

امام بخاری اور بہت سے جلیل القدر علماء اس کے قائل تھے کہ مدرکِ رکوع کی رکعت نہیں ہوتی۔ تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا محمد یونس قریشی رحمہ اللہ کی کتاب ''اتمام الخشوع باحکام مدرک الرکوع'' اور مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ کا رسالہ ''رکوع میں ملنے والے کی رکعت، جانبین کے دلائل کا جائزہ'' وما علینا إلا البلاغ (۲۶ رجب ۱۴۲۷ھ)

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

غیر ثابت قصّے

چھبیسواں (۲۶) قصہ: یوم عرفہ میں نبی ﷺ کی دعا کا قصہ

عباس بن مرداس السلمی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عرفہ کی شام اپنی امت کے لئے دعا مانگی تو آپ ﷺ سے کہا گیا: ''میں نے انھیں بخش دیا سوائے ظالم شخص کے، میں ظالم سے مظلوم کا حق ضرور لوں گا'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دے دے اور ظالم کو (بھی) بخش دے''؟ اُس شام آپ کو اس کا جواب نہیں دیا گیا جب صبح آپ مزدلفہ تشریف لائے تو آپ نے پھر اس دعا کا اعادہ فرمایا، آپ ﷺ نے جو مانگا وہ آپ کو عطا کیا گیا، تو رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے یا (راوی نے کہا:) مسکرائے، تبسم فرمایا۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے آپ سے کہا: ہمارے ماں باپ آپ پر قربان آپ اس وقت ہنستے تو نہیں؟ کس بات نے آپ کو ہنسایا؟ اللہ آپ کو مسکراتا رکھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے دشمن ابلیس کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمالی اور میری امت کو بخش دیا تو وہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ وہ اپنی مصیبت و ہلاکت و بربادی کو رونے لگا، اس کی اس مایوسی کو دیکھنے نے مجھے ہنسایا۔ (سخت ضعیف روایت ہے)

تخریج: اسے ابوداود (ج ۵ ص ۳۵۹ ح ۵۲۳۴ مختصراً) ابن ماجہ (ج ۲ ص ۱۰۰۲ ح ۳۰۱۳) بیہقی (السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۱۸، شعب الایمان ج ۲ ص ۱۸۳) طبری (التفسیر ج ۴ ص ۱۹۳) ابن الجوزی (الموضوعات ج ۲ ص ۲۱۴) ابن عدی (ج ۶ ص ۲۰۹۴) حکیم ترمذی (نوادر الاصول ص ۲۰۳) عبداللہ بن احمد (زوائد مسند احمد ج ۴ ص ۱۴) عقیلی (ج ۴ ص ۱۰) بخاری (التاریخ الکبیر ج ۷ ص ۳) یعقوب بن سفیان (المعرفۃ والتاریخ ج ۱ ص ۲۹۵، ۲۹۶) ابویعلیٰ (المسند ج ۳ ص ۱۵۰ ح ۱۵۷۸، المفاریدص ۸۸، ۸۹) ابن بلبان (المقاصد السنیۃ

(۲۷۵) ضیاء المقدسی (فضائل الاعمال ۳۸۸، ۳۸۹) ابن الاثیر (اسد الغابۃ ج ۳ ص ۱۶۹ و ص ۱۷۰) ابن ابی عاصم (الآحاد والمثانی ج ۳ ص ۴۷) اور مزی (تہذیب الکمال ۹/۴۷۸ ۴۷۷ نے اس سند سے بیان کیا ہے: ''**عن عبدالقاهر بن السلمي قال: حدثني عبدالله ابن كنانة بن عباس بن مرداس أن أباه أخبره عن أبيه العباس**''

جرح: یہ سند انتہائی ضعیف ہے۔ اس میں دو علتیں ہیں:

① **پہلی علت:** عبداللہ بن کنانہ بن العباس بن مرداس السلمی مجہول ہے جیسا کہ تقریب التہذیب (ص ۳۱۹) میں ہے۔

② **دوسری علت:** کنانہ بن العباس بن مرداس السلمی بھی مجہول ہے جیسا کہ تقریب التہذیب (۴۲۲) میں ہے اور بخاری نے اس کے متعلق کہا: اس کی حدیث صحیح ثابت نہ ہوئی۔ ابن حبان نے المجروحین میں کہا: یہ بہت ہی منکر الحدیث ہے، میں نہیں جان سکا کہ اس کی روایت میں تخلیط خود اس کی طرف سے ہے یا اس کے بیٹے یعنی عبداللہ کی طرف سے؟ اور دونوں میں سے کسی کی طرف سے بھی ہو تو وہ اپنی روایت کی وجہ سے ساقط الاحتجاج ہے۔ اور اس لئے بھی کہ یہ مشہور راویوں سے منکر روایات لایا ہے۔ (ابن حبان نے تناقض کا شکار ہو کر کنانہ بن العباس کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے ۵/۳۳۹ !!)

ابن الجوزی نے فرمایا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اس روایت کو البانی نے بھی ضعیف سنن ابن ماجہ (ص ۲۳۹) میں ضعیف قرار دیا ہے۔

ایک شاہد: اس روایت کا ایک شاہد ہے جو ابن الجوزی نے الموضوعات (ج ۲ ص ۲۱۵) میں ''**عبدالرزاق: أنبأنا معمر عن من سمع قتادة يقول: حدثنا خلاس بن عمرو عن عبادة بن صامت قال قال رسول الله ﷺ**'' کی سند سے بیان کیا ہے۔

یہ سند ساقط ہے، اس میں ایک راوی کا نام نہیں لیا گیا، اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

ابن الجوزی نے فرمایا: قتادہ سے اس کا راوی مجہول ہے۔ اور ہیثمی نے مجمع الزوائد (ج ۳ ص ۲۵۶) میں یہ روایت بیان کی پھر فرمایا: طبرانی نے اسے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔

اس میں ایک راوی ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔ اس کے بقیہ راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں اور علامہ المنذری نے الترغیب والترہیب (ج ۲ ص ۲۰۲) میں روایت کیا پھر فرمایا: طبرانی نے یہ روایت المعجم الکبیر میں بیان کی، اس کے راوی سے صحیح بخاری میں حجت لی گئی ہے مگر اس سند میں ایک راوی ایسا ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔

خلاصہ از مترجم: دو سندیں مجہول راویوں کی وجہ سے ضعیف ہیں لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے۔

کتاب الموضوعات لابن الجوزی (۲/۲۱۳) حلیۃ الاولیاء (۸/۱۹۹) اور تفسیر ابن جریر طبری (۲/۱۷۲) میں بعض روایت کا شاہد نما ہے جس کی دو سندیں ہیں، ایک میں بشار بن بکیر الحنفی نامعلوم ہے، دوسری میں اسماعیل بن ہود اور ابو ہشام عبدالرحیم بن ہارون الغسانی دونوں جمہور کے نزدیک مجروح ہیں لہٰذا یہ شاہد بھی ضعیف ہے۔ مسند ابی یعلیٰ (۴۱۰۶) میں ایک اور شاہد نما روایت ہے جس میں صالح المری اور یزید الرقاشی دونوں ضعیف ہیں۔

یہ روایت اپنی تمام سندوں اور شواہد بعیدہ کے باوجود ضعیف ہے۔

ستائیسواں (۲۷) قصہ: حق مہر میں زیادتی اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ

شعبی کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: خبردار! عورتوں کے حق مہر میں زیادتی نہ کرو۔ پس مجھے کسی کے متعلق یہ خبر نہ پہنچے کہ اُس نے اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حق مہر دیا ہو اگر ایسا ہوا تو اضافی مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ پھر آپ منبر پر سے اترے تو ایک قریشی خاتون نے آپ سے کہا: اے امیر المومنین! اللہ کی کتاب اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے یا آپ کا قول؟ آپ نے فرمایا: اللہ کی کتاب، لیکن ایسا کیا ہوا؟ تو اُس خاتون نے کہا: ابھی آپ نے لوگوں کو منع فرمایا کہ وہ عورتوں کو بڑھا چڑھا کر حق مہر نہ دیں اور اللہ تعالیٰ تو اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ﴿وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا﴾

اور (اگر) تم نے ان میں سے کسی کو قنطار (مالِ کثیر) دیا ہے تو بھی اس سے واپس نہ لو۔ [النسآء: ۲۰]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دو یا تین بار یہ بات ارشاد فرمائی کہ ہر ایک عمر سے زیادہ فقیہ ہے۔ آپ

منبر پر دوبارہ تشریف لائے اور لوگوں سے فرمایا: (لوگو!) ابھی ابھی میں نے تمھیں بہت زیادہ حق مہر دینے سے روکا تھا۔ آگاہ رہو کہ اس معاملے میں ہر شخص اپنے مال میں سے اپنی خوشی سے تصرف کرسکتا ہے۔ یہ منکر روایت ہے۔

تخریج: یہ قصہ سعید بن منصور (ج ا ص ۱۶۶، ۱۶۷) اور بیہقی (ج ۷ ص ۲۳۳) نے ''**مجالد عن الشعبي قال:**'' کی سند سے بیان کیا ہے۔

جرح: یہ سند ضعیف ہے اس میں دو علتیں ہیں:

① **پہلی علت:** مجالد بن سعید بن عمیر الہمدانی ہے۔ اس کے متعلق امام احمد نے فرمایا: یہ ایسی بہت سی روایات کو مرفوعاً بیان کر دیتا جو لوگ مرفوعاً بیان نہیں کرتے تھے، یہ کچھ بھی نہیں ابن معین وغیرہ نے کہا: اس سے حجت نہیں لی جاتی، نسائی نے کہا: یہ قوی نہیں، دارقطنی نے کہا: یہ ضعیف ہے، ابن حبان نے کہا: یہ اسانید میں الٹ پلٹ کر دیتا اور مرسل روایات کو مرفوع کر دیتا، اس سے حجت لینا جائز نہیں۔

② **دوسری علت:** الشعبی جو کہ عامر بن شراحیل الکوفی ہیں آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا لہٰذا یہ سند منقطع ہے۔

حوالے: دیکھئے الضعفاء لابن الجوزی (ج ۳ ص ۳۵) میزان الاعتدال (ج ۴ ص ۳۵۸) تہذیب التہذیب (ج ا ص ۳۶) المراسیل لابن ابی صالح (ص ۱۳۲) جامع التحصیل (ص ۲۰۴) بیہقی نے اس روایت کے بعد فرمایا: یہ منقطع ہے۔ البانی نے ارواء الغلیل (ج ۶ ص ۳۴۸) میں فرمایا: ضعیف و منکر روایت ہے۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (ج ۴ ص ۲۸۴) میں اسے ذکر کیا پھر فرمایا: ابو یعلیٰ نے اسے المسند الکبیر میں روایت کیا اس کی سند میں مجالد بن سعید ہے اور اس میں ضعف پایا جاتا ہے اور اس کی توثیق بھی کی گئی ہے۔

ایک اور سند: عبدالرزاق نے ''المصنف'' (ج ۶ ص ۱۸۰) میں ''**قیس بن الربیع عن أبي حصين عن أبي عبدالرحمٰن السلمي**'' کی سند سے بیان کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورتوں کے حق مہر کے معاملہ میں غلو نہ کرو۔ تو ایک عورت نے کہا: اے عمر!

ایسا نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے: " و اِن آتیتم إحداهن قنطاراً من ذهب "
اگر تم نے اُن میں سے کسی کو سونے میں سے ایک خزانہ بھی دیا ہو۔
اور اسی طرح عبداللہ کی قراءت میں ہے ''فلا يحل لكم أن تأخذوا منه شيئًا ''
تو تم (طلاق دینے کی صورت میں) اُن سے کچھ بھی نہ لو۔
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک عورت نے عمر سے بحث کی اور وہ اس پر غالب آئی۔
اس کی سند ضعیف ہے اس میں دو علتیں ہیں:
① **پہلی علت:** قیس بن الربیع سوءِ حافظہ کا شکار (ضعیف) تھا۔
② **دوسری علت:** ابو عبدالرحمٰن السلمی ، جو کہ عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ ہیں انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا (لہٰذا یہ روایت منقطع ہے)
دیکھئے میزان الاعتدال (۳۱۳/۴) تہذیب التہذیب (۳۵۰/۸) المراسیل (ص ۹۴) جامع التحصیل (ص ۲۰۸) اور اس قصہ کو البانی نے ارواء الغلیل (ج ۶ ص ۳۴۸) میں ضعیف قرار دیا ہے۔
ایک اور سند: ابن کثیر نے اپنی تفسیر (ج ۱ ص ۴۷۸) میں ''قال الزبير بن بكار: حدثني عمي مصعب بن عبدالله عن جدي قال:'' کی سند سے یہ قصہ بیان کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورتوں کے حق مہر بہت زیادہ نہ دیا کرو اگرچہ اس بات کے قائل کی بیٹی ہی کیوں نہ ہو یعنی یزید بن الحصین الحارثی کی بیٹی۔ جو کوئی زیادہ دے گا تو زائد مال بیت المال میں ڈال دیا جائے گا۔
ایک چپٹی ناک والی لمبی سی خاتون نے کہا: یہ آپ کو کیا ہوا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں؟ تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا: اگر تم نے انھیں خزانہ دیا ہو۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورت نے درست بات کہی اور مرد سے خطا ہوئی۔
اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں دو علتیں ہیں:
① **پہلی علت:** مصعب بن ثابت ہے اسے ابن معین نے ضعیف قرار دیا۔
② **دوسری علت:** انقطاع ہے۔

دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۳ص ۲۱۹) ابن کثیر نے فرمایا: اس سند میں انقطاع ہے۔
فوزی کہتے ہیں: پھر یہ قصہ "منکر المتن" بھی ہے اس لئے کہ یہ "مہر" کے سلسلے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے آسانی کے متعلق ثابت شدہ صحیح روایت کے بھی خلاف ہے۔
ابو داود (ج ۲ص ۲۳۵ ح ۲۱۰۶) ترمذی (ج ۳ص ۴۱۳ ح ۱۱۱۴م) نسائی (ج ۶ص ۱۱۷ ح ۳۳۵۱ والکبریٰ: ۵۵۱۱) ابن ماجہ (۱۸۸۷) احمد (ج ۱ص ۴۰) اور حاکم (ج ۲ص ۱۷۵) نے "محمد بن سیرین عن أبی العجفاء" کی سند سے بیان کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ہم سے خطاب فرمایا تو کہا: خبردار اے لوگو! عورتوں کے حق مہر میں غلو نہ کرو، اگر دنیا میں یہ کوئی محترم چیز ہوتی یا اللہ کے نزدیک یہ تقویٰ کے امور میں سے ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ اس بات کے حق دار تھے (کہ وہ پہلے اس پر عمل فرماتے۔)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی زوجۂ مطہرہ رضی اللہ عنہا کا اور نہ اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا حق مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر فرمایا۔ (الحدیث)
اس کی سند صحیح ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ارواء الغلیل (ج ۶ص ۳۴۷) میں صحیح قرار دیا۔
اور اس حدیث کے اور بھی بعض طرق ہیں جو امام حاکم نے المستدرک (ج ۲ص ۱۷۶) میں بیان کئے اور فرمایا: امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کی صحت بہت سی اسانید متواترہ وصحیحہ سے ثابت ہے۔ [تنبیہ: یہ روایت بلحاظِ سند حسن ہے، محمد بن سیرین نے اس روایت میں ابو العجفاء سے سماع کی تصریح کردی ہے۔ دیکھئے مسند احمد (۴۸/۱)]

اٹھائیسواں (۲۸) قصہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا شیر کے ساتھ قصہ

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ ایک سفر پر نکلے وہ چل رہے تھے کہ اس دوران میں دیکھا کہ کچھ لوگ کھڑے ہیں آپ نے پوچھا، ان کے ساتھ کیا ہوا؟ جواب ملا کہ راستے میں ایک شیر ہے جس نے انھیں خوف زدہ کردیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی سواری سے اترے اور اس شیر کی

طرف چل دیئے یہاں تک کہ اسے کان سے پکڑ کر کھینچا پھر گدی سے پکڑ کر اسے راستے سے ہٹا دیا پھر فرمایا: (اے ابن آدم!) رسول اللہ ﷺ نے تیرے متعلق درست فرمایا۔ میں نے آپ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: جس چیز سے ابن آدم ڈرتا ہے وہی ابن آدم پر مسلط کر دی جاتی ہے، اگر ابن آدم اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرے تو وہ اپنے علاوہ کسی اور کو اس کا اختیار نہیں دیتا۔ اور ابن آدم کو اس کے حوالے کر دیا جس کی وہ امید رکھتا ہے، اگر ابن آدم اللہ کے علاوہ کسی اور کی امید نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے علاوہ کسی کے حوالے نہ کرے گا۔

یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے۔

تخریج: یہ رویت ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۱۳/۳۳، کنز العمال ۴۷۸/۱۳) [اور ابن ابی حاتم نے (علل الحدیث ۲۲۲/۲ ح ۱۸۶۰)] ''**بقية بن الوليد عن بكر بن حذلم الأسدي عن وهب بن أبان القرشي عن ابن عمر** کی سند سے بیان کی ہے۔

جرح: اس سند کے راوی وہب بن ابان القرشی کے متعلق الازدی نے فرمایا:

یہ ''متروک الحدیث'' ہے۔ دیکھئے لسان المیزان (ج ۶ ص ۲۲۹)

ذہبی نے کہا: معلوم نہیں یہ کون ہے ایک موضوع (گھڑی ہوئی) خبر لایا ہے۔ میزان الاعتدال (ج ۶ ص ۲۴) بقیہ بن الولید صدوق مدلس ہیں اور ان کا استاد بکر بن حذلم متروک ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال (۳۴۳/۱) ولسان المیزان (۴۹/۲) وقال ابوحاتم: **ليس بشئ**

اسی سند سے ابن حجر نے لسان المیزان (ج ۶ ص ۲۲۹) میں یہ روایت ذکر کی۔

[تاریخ دمشق میں اس کی دوسری سند'' **بقية عن عبدالله بن حذلم عن نافع** '' سے مروی ہے۔ بقیہ مدلس ہیں اور عبداللہ بن حذلم مجہول ہے۔ عین ممکن ہے اس سے مراد بکر بن حذلم ہو۔ واللہ اعلم

خلاصۃ التحقیق: یہ روایت دونوں سندوں سے باطل وموضوع ہے۔]

انتیسواں (۲۹) قصہ: امام احمد بن حنبل سے منسوب ایک قصہ

ابن حماد المقری کہتے ہیں: میں احمد بن حنبل اور محمد بن قدامہ الجوہری کے ساتھ ایک جنازہ میں

شریک تھا، جب میت کو دفن کیا گیا تو ایک نابینا شخص قبر پر بیٹھ کر تلاوت کرنے لگا۔ احمد بن حنبل نے اس سے کہا: اے فلاں، قبر پر تلاوت کرنا بدعت ہے، جب ہم قبرستان سے نکلے محمد بن قدامہ نے احمد بن حنبل سے کہا۔ اے ابوعبداللہ! آپ مبشر الحلبی کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ ثقہ ہیں۔ کیا آپ نے ان سے کوئی روایت لکھی ہے؟ میں نے کہا: ہاں، تو امام احمد نے فرمایا: مجھے بتائیں، میں نے کہا: مجھے مبشر نے خبر دی عبدالرحمٰن بن العلاء بن اللجلاج سے اس نے اپنے والد سے انھوں نے وصیت کی کہ جب انھیں دفن کیا جائے تو ان کی قبر کے سرہانے سورۃ البقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات تلاوت کی جائیں۔ اس نے کہا میں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہی وصیت کرتے ہوئے سنا۔ تو امام احمد نے فرمایا: جاؤ اس شخص سے کہو کہ پڑھتے رہو!

یہ روایت ضعیف ہے۔

تخریج: اسے ابوبکر الخلال نے ''الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر'' (ص۱۷۲، ۱۷۳) میں ''الحسن بن أحمد الورّاق قال: حدثني علي بن موسى الحدّاد ...وكان صدوقاً'' کی سند سے روایت کیا ہے۔

جرح: یہ سند ضعیف ہے۔ اس میں دو علتیں ہیں:

① **پہلی علت:** الحسن بن احمد الورّاق پہچانا نہیں جاتا (مجہول ہے)

② **دوسری علت:** علی بن موسیٰ الحداد بھی نہیں پہچانا جاتا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس سند میں یہ بات موجود ہے کہ علی بن موسیٰ الحداد صدوق تھا؟ (تو جواباً عرض ہے) ظاہر تو یہی ہے کہ یہ بات کہنے والا الورّاق ہے۔ اور آپ اس کا حال ملاحظہ کر ہی چکے ہیں (کہ یہ بذاتِ خود مجہول ہے) رہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب اثر تو وہ بھی دو علتوں کی وجہ سے ضعیف ہے۔

① **پہلی علت:** محمد بن قدامہ الجوہری ہے۔ اسے ابوداود نے ضعیف قرار دیا، ذہبی نے کہا: یہ کمزور راوی ہے، ابن حجر نے کہا: اس میں کمزوری ہے۔

② **دوسری علت:** عبدالرحمٰن بن العلاء بن اللجلاج ہے یہ مقبول (مجہول الحال) راوی

ہے جیسا کہ تقریب التہذیب (ص ۳۴۸) میں ہے مقبول راوی کی روایت تب قبول ہوتی ہے جب اس کی متابعت ہو وگرنہ وہ ''لین الحدیث'' (ضعیف) ہوتا ہے۔

دیکھئے تہذیب التہذیب (ج۹ ص ۳۶۴) تقریب التہذیب (ص ۵۰۳) میزان الاعتدال (ج ۵ ص ۱۴۰) اور الکاشف (ج ۳ ص ۸۰)

اس حدیث کو علامہ البانی نے بھی احکام الجنائز (ص ۱۹۲) میں ضعیف قرار دیا ہے۔

عرض مترجم: قبروں پر تلاوت کا سنت سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ محض بدعت ہے لیکن بہت سے لوگ قبروں پر بیٹھ کر تلاوت کرتے نظر آتے ہیں۔ سنت تو یہ ہے کہ ہم قبرستان جا کر عبرت حاصل کریں آخرت کی فکر و تیاری کریں۔

تیسواں (۳۰) قصہ: ایک جنتی شخص کا قصہ

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ابھی اس کشادہ راستے سے تمھارے سامنے ایک جنتی شخص ظاہر ہوگا۔ پھر انصار میں سے ایک شخص آیا۔ اس کے وضو کا پانی اس کی داڑھی سے ٹپک رہا تھا۔ اپنی جوتیاں اپنے بائیں ہاتھ میں لئے ہوئے تھا، اس نے سلام کیا۔

اگلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا اور وہ شخص بھی اپنی پہلی حالت کی طرح دوبارہ آیا تیسرے دن پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح ارشاد فرمایا اور وہ شخص اسی طرح دوبارہ آیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھے تو سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس شخص کے پیچھے پیچھے چل دیئے اور ان سے (بطورِ امتحان) کہا: میری اپنے والد سے کچھ ناراضی ہو گئی تو میں نے قسم کھالی کہ میں تین دن تک ان کے سامنے نہیں آؤں گا۔ اگر آپ ان تین دنوں تک مجھے اپنے ہاں ٹھہرانا چاہیں تو ٹھہرا لیں۔

ان صاحب نے فرمایا: ہاں (ہاں! ٹھہر جایئے) سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بتایا کرتے تھے کہ وہ ان کے پاس تین راتوں تک ٹھہرے رہے۔ تو انھوں نے اس انصاری شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ رات کو قیام کرتے ہوں نماز پڑھتے ہوں ہاں البتہ رات کو

جب ان کی آنکھ کھلتی اور اپنے بستر پر کروٹ بدلتے تو اللہ کا ذکر کرتے اور تکبیر کہتے یہاں تک کہ صبح نماز فجر کے لئے اٹھتے اور یہ بھی کہ وہ سوائے بھلی بات کے کچھ نہ کہتے۔ فرمایا: جب تین راتیں اسی طرح گزر گئیں، قریب تھا کہ میں ان کے عمل کو حقیر جانتا، میں نے ان سے کہا: اے اللہ کے بندے میرے اور میرے والد کے درمیان کسی قسم کی کوئی ناراضی تھی نہ ہی جدائی لیکن میں نے تین مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''ابھی تمھارے درمیان ایک جنتی شخص ظاہر ہوگا'' تینوں ہی بار آپ تشریف لائے۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ میں آپ کے ہاں ٹھہروں اور دیکھوں کہ آپ کیا عمل کرتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کو یہ مقام ملا تو میں نے آپ کو نہیں دیکھا کہ آپ بہت زیادہ عمل کرتے ہوں۔ آخر کس چیز نے آپ کو اس مقام پر پہنچایا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے متعلق یہ فرمایا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ایسا کچھ نہیں سوائے اس کے جو آپ نے ملاحظہ فرمایا: عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان کے پاس سے واپس چل پڑا تو انھوں نے مجھے بلایا اور کہا: بس یہی تھا جو آپ نے دیکھا ہاں البتہ میں اپنے دل میں کسی بھی مسلم کے لئے دغا (بغض) نہیں رکھتا اور نہ ہی اللہ کی عطا کردہ کسی خیر پر اس سے حسد کرتا ہوں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ بات ہے جس کا آپ کو یہ صلہ ملا۔ اور یہ بات ہے کہ جس کی طاقت نہیں پائی جاتی۔

یہ ضعیف قصہ ہے۔

تخریج: یہ روایت احمد (ج ۳ ص ۱۶۶، ۳۵۶ اور ۳۸۰) عبدالرزاق (ج ۱۱ ص ۲۸۷، ۲۸۸ ح ۲۰۵۵۹) بزار (ج ۲ ص ۴۱۰ ح ۱۹۸۱) نسائی (عمل الیوم واللیلۃ ص ۴۹۳، ۴۹۴ ح ۸۶۳) ابن المبارک (الزہد ص ۲۴۱) المسند (ص ۳، ۴) ابن السنی (عمل الیوم واللیلۃ ص ۳۵۱، ۳۵۲) بغوی (شرح السنۃ ج ۱۳ ص ۱۱۲ ح ۳۵۳۵) ابونعیم (اخبار اصبہان ج ۱ ص ۳۱) بیہقی (شعب الایمان ج ۵ ص ۲۶۴ ح ۶۶۰۵) طبرانی (مکارم الاخلاق ص ۶۶، ۶۷) الخرائطی ''مساوی الاخلاق'' ص ۲۶۶ اور عبد بن حمید (المنتخب ص ۳۵۰، ۳۵۱) نے ''**معمر عن الزهري عن أنس بن مالك**'' کی سند سے بیان کی ہے۔

جرح: بظاہر اس کی سند ''جیّد'' (اچھی) ہے اور اس کے راوی مشہور ثقہ راوی ہیں مگر اس سند میں ایک علت ہے۔

حمزہ بن محمد الکنانی الحافظ فرماتے ہیں: زہری نے اسے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا انھوں ایک ''شخص'' کے واسطہ سے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اسی طرح عقیل اور اسحاق بن راشد اور دوسروں نے زہری سے روایت کیا اور یہی صحیح ہے۔ دیکھئے تحفۃ الاشراف للمزی (ج ۱ ص ۳۹۵)

حافظ ابن حجر نے النکت الظراف میں فرمایا: اور بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا کہ شعیب نے زہری سے اسے روایت کیا (زہری نے کہا کہ) مجھ سے اس نے یہ حدیث بیان کی جسے میں متہم نہیں کرتا۔ وہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور معمر نے اسے ''عن الزهري : أخبرني أنس'' سے روایت کیا اور اسے ہم نے مکارم الاخلاق میں روایت کیا اور بہت سے مقامات پر عبدالرزاق سے، پس واضح ہوا کہ یہ روایت معلول ہے۔

حافظ العراقی نے احیاء العلوم کی تخریج (ج ۳ ص ۱۸۷) میں فرمایا: احمد نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح سند سے روایت کیا اور بزار نے اسے روایت کیا اور سعد کی روایت میں ''الرجل'' اس شخص کا نام بھی لیا (جس نے زہری سے بیان کی) اور اس سند میں ابن لہیعہ ہے۔

فوزی کہتے ہیں: الحداد نے احیاء علوم الدین کی تخریج (ج ۴ ص ۱۸۳۶) میں کہا کہ میں نے حافظ العراقی کی تحریر میں المغنی کے حاشیے پر لکھا پایا اس قول کے پاس کہ یہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر کے الفاظ ہیں کہ اس سند میں ایک علت ہے کہ زہری کا سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ اھ۔

میں کہتا ہوں: اور پہلے جو بات گزری یہ اس کی تائید کرتا ہے (کہ زہری کا سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں) جیسا کہ بیہقی نے شعب الایمان (ج ۵ ص ۲۶۵) میں

''**شعيب عن الزهري قال: حدثني من لاأتهم عن أنس بن مالك**''

کی سند سے یہ قصہ روایت کیا۔

اس معاملہ میں واضح بات یہ ہے کہ زہری نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے نہیں سنا انھوں نے اسے ''رجل'' ایک نامعلوم شخص سے روایت کیا ہے پس اس کی سند ضعیف ہے۔

بیہقی فرماتے ہیں: اسی طرح عقیل بن خالد نے زہری سے روایت کیا علاوہ اس کے اس متن میں کہا کہ سیدنا ''سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تشریف لائے''۔ یہ نہیں کہا کہ انصار میں سے ایک شخص آئے اور اسی سند سے ابن ابی حاتم نے العلل (ج۱ ص۳۶۵) میں یہ روایت بیان کی (یہی علت اس بیان میں بھی ہے)

الخرائطی نے مساوی الاخلاق (ص۲۶۷) میں

''**أبو صالح عبدالله بن صالح عن الهقل بن زياد عن الصدفي ...يعني معاوية ابن يحيى : حدثني الزهري: حدثني من لا أ تهم عن أنس**'' کی سند سے اس روایت کو بیان کیا اور اس کا ایک ''شاہد'' ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان (ج۵ ص۳۶۶) میں ''**حاجب بن أحمد نا عبدالرحيم بن منيب نا معاذ يعني ابن خالد أنا صالح عن عمرو بن دينار عن سالم بن عبدالله عن أبيه**''

کی سند سے یہ روایت بیان کی۔

اور اس کی سند بھی ضعیف ہے اس میں صالح ہے جو ابن بشیر بن وداع المری ہے اور یہ ضعیف ہے جیسا کہ تقریب التہذیب (ص۱۷۲) میں ہے اور عبدالرحیم بن منیب کا ترجمہ مجھے نہیں ملا۔

[تنبیہ بلیغ: فوزی وغیرہ کی بیان کردہ علت، علتِ قادحہ نہیں ہے۔ ان تمام اسانید کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کو زہری نے ایک نامعلوم آدمی سے عن انس کی سند سے بھی سنا ہے اور بذاتِ خود سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بھی سنا ہے۔ روایتِ مذکورہ میں عبدالرزاق اور زہری نے سماع کی تصریح کر دی ہے لہٰذا اسے ضعیف یا معلول قرار دینا غلط ہے بلکہ حق اور صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، معلول نہیں ہے۔ فوزی وغیرہ کا اسے ضعیف قرار دینا غلط ہے، مسند احمد کے محققین نے اسے ''**إسناده صحيح علىٰ شرط الشيخين**'' کہا ہے۔

(الموسوعۃ الحدیثیۃ ۱۲۵/۲۰) زع]

حافظ زبیر علی زئی

آثارِ صحابہ اور آلِ تقلید

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين، أمابعد:
اس تحقیقی مضمون میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے وہ صحیح وثابت آثار پیشِ خدمت ہیں جن کی آلِ تقلید (تقلیدی حضرات) مخالفت کرتے ہیں:

۱) مسئلۂ تقلید

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**أما العالم فإن اهتدى فلا تقلدوه دينكم**'' اگر عالم ہدایت پر بھی ہو تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔

(حلیۃ الاولیاء ۹۷/۵ وسندہ حسن وقال ابونعیم الاصبہانی: ''وھو الصحیح'')

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**لا تقلدوا دينكم الرجال**''
تم اپنے دین میں لوگوں کی تقلید نہ کرو۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/۲ وسندہ صحیح)

ان آثار کے مقابلے میں آلِ تقلید کہتے ہیں کہ ''مسلمانوں پر (ائمۂ اربعہ میں سے ایک امام کی) تقلیدِ شخصی واجب ہے''!

۲) سورۂ فاتحہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**في كلّ صلوٰةٍ يقرأ**''
ہر نماز میں قراءت کی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری: ۷۷۲ وصحیح مسلم: ۳۹۶/۴۳ ودارالسلام: ۸۸۳)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما چاروں رکعتوں میں قراءت کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۷۳/۱ ح ۳۷۳۰ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید کہتے ہیں کہ ''چار رکعتوں والی نماز میں آخری دو رکعتوں میں قراءت نہ کی جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔'' ! مثلاً دیکھئے القدوری (باب النوافل ص ۲۳، ۲۴)

۳) آمین بالجہر

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ''عن ابن عمر کان إذا کان مع الإمام یقرأ بأم القرآن فأمن الناس أمن ابن عمر ورأی تلک السنۃ''

ابن عمر (رضی اللہ عنہما) جب امام کے ساتھ ہوتے سورۂ فاتحہ پڑھتے۔ پھر لوگ آمین کہتے (تو) ابن عمر (رضی اللہ عنہما) آمین کہتے اور اسے سنت سمجھتے تھے۔ (صحیح ابن خزیمہ ۱/۲۸۷ ح ۵۷۲ وسندہ حسن)

صحیح بخاری میں تعلیقاً روایت ہے کہ عطاء (بن ابی رباح رحمہ اللہ) نے فرمایا: ''آمین دعا ہے، ابن الزبیر (رضی اللہ عنہما) اوران کے مقتدیوں نے آمین کہی حتیٰ کہ مسجد گونج اُٹھی۔

(کتاب الاذان باب جہر الامام بالتامین قبل ح ۷۸۰)

ان آثار کے مقابلے میں آمین بالجہر کی آلِ تقلید بہت مخالفت کرتے ہیں۔

٤) مسئلۂ رفع یدین

مشہور تابعی نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''کان یرفع یدیه في کل تکبیرۃ علی الجنازۃ''

وہ (ابن عمر رضی اللہ عنہما) جنازے کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۹۶ ح ۱۱۳۸۰ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید جب نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں تو ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین نہیں کرتے۔

۵) مسئلۂ تراویح

خلیفۂ راشد امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔ (موطأ امام مالک ۱/۱۱۴ ح ۲۴۹ وسندہ صحیح وصححہ النیموی فی آثار السنن: ۷۷۶، واحتج بہ الطحاوی فی معانی الآثار ۱/۲۹۳)

سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ (صحابی) سے روایت ہے کہ ''کنا نقوم في زمان عمر ابن الخطاب رضي الله عنه بإحدیٰ عشرۃ رکعة'' ہم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے۔ (سنن سعید بن منصور بحوالہ الحاوی للفتاوی ۱/۳۴۹ وسندہ صحیح

وقال السیوطی: ''بسند في غاية الصحة'' یہ بہت زیادہ صحیح سند سے ہے)
ان آثارِ صحیحہ کے مقابلے میں آلِ تقلید یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ''صرف بیس رکعات تراویح سنتِ مؤکدہ ہے اوراس تعداد سے کم یا زیادہ جائز نہیں ہے۔''!

٦) نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ

طلحہ بن عبداللہ بن عوف رحمہ اللہ (تابعی) سے روایت ہے:

''صليت خلف ابن عباس علٰى جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب''

میں نے ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھی تو انھوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی۔
ابن عباس (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: تاکہ تمھیں معلوم ہو جائے کہ یہ سنت ہے۔ (صحیح بخاری:۱۳۳۵)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے اور کہتے ہیں کہ جنازے میں سورۂ فاتحہ بطورِ قراءت (قرآن سمجھ کر) پڑھنا جائز نہیں ہے۔!
تنبیہ: ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جنازے میں قراءت نہیں کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ قراءت نہیں کرتے تھے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ ایک اور سورت پڑھنے کے قائل تھے۔ دیکھئے فقرہ:۳۸

۷) نمازِ عصر کا وقت

اسلم رحمہ اللہ (تابعی) سے روایت ہے: ''كتب عمر بن الخطاب أن وقت الظهر إذا كان الظل ذراعاً إلٰى أن يستوي أحد كم بظله'' عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے لکھا کہ ظہر کا وقت ایک ذراع سایہ ہونے سے لے کر آدمی کے برابر سایہ ہونے تک ہے۔ (الاوسط لابن المنذر ۲/ ۳۲۸ وسندہ صحیح)

اس کے برعکس آلِ تقلید دو مثل کے بعد عصر کی اذان دیتے ہیں۔!

۸) نمازِ فجر کا وقت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا:

’’ **صلّ الصبح والنجوم بادیة مشتبکة** ‘‘ صبح کی نماز پڑھو اور ستارے صاف گھنے ہوئے ہوں۔ (موطأ امام مالک ۱/۶ ح ۶ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید صبح کی نماز خوب روشنی میں پڑھتے ہیں۔

تنبیہ: جس روایت میں آیا ہے کہ صبح کی نماز خوب روشنی میں پڑھو، وہ منسوخ ہے۔ دیکھئے الناسخ والمنسوخ للحازمی ص ۷۷

۹) تعدیلِ ارکان

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو رکوع وسجود صحیح طریقے سے نہیں کر رہا تھا تو فرمایا: ’’**ماصلیتَ ولو مُتَّ مُتَّ علیٰ غیر الفطرۃ التي فطر الله محمدًا** علیہ وسلم صلی اللہ‘‘ تو نے نماز نہیں پڑھی اور اگر تو مرجاتا تو اس فطرت پر نہ مرتا جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور کیا تھا۔ (صحیح بخاری: ۷۹۱)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید کہتے ہیں کہ تعدیلِ ارکان فرض نہیں ہے۔ مثلاً دیکھئے الہدایہ (۱/۱۰۶، ۱۰۷)

۱۰) جرابوں پر مسح

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔ (الاوسط لابن المنذر ۱/۴۶۲ وسندہ صحیح)

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے جرابوں پر مسح کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۹ ح ۱۹۸۴ وسندہ صحیح)

سیدنا عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے جرابوں پر مسح کیا۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۹ ح ۱۹۸۷ وسندہ صحیح)

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے جرابوں پر مسح کیا۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۹ ح ۱۹۹۰ وسندہ حسن)

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے جرابوں پر مسح کیا۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۸۸ ح ۱۹۷۹ وسندہ حسن)

ان آثار کے مقابلے میں آلِ تقلید کہتے ہیں کہ جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۱) نماز میں سلام اور اس کا جواب

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو سلام کیا اور وہ نماز پڑھ رہا تھا اس آدمی نے زبان سے جواب دے دیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"إذا سلّم علىٰ أحد كم وهو يصلّي فلا يتكلم ولكن يشير بيده" جب کسی آدمی کو سلام کیا جائے اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو زبان سے جواب نہ دے بلکہ ہاتھ سے اشارہ کرے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۲۵۹ وسندہ صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۷۴ ح ۴۸۱۶ مختصراً)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید کے نزدیک حالتِ نماز میں سلام کرنا اور اس کا جواب دینا صحیح نہیں ہے۔

۱۲) سجدۂ تلاوت

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن خطبہ دیا:

"يا أيها الناس ! إنّا نمرّ بالسجود فمن سجد فقد أصاب ومن لم يسجد فلا إثم عليه" ولم يسجد عمر رضي الله عنه.

اے لوگو: ہم سجدوں (والی آیات) سے گزرتے ہیں، پس جس نے سجدہ کیا تو صحیح کیا اور جس نے سجدہ نہ کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہیں کیا۔ (صحیح بخاری: ۱۰۷۷)

اس فاروقی حکم سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہے جبکہ اس کے برعکس آلِ تقلید کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

۱۳) ایک رکعت وتر

سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"الوتر حق فمن أحبّ أن يوتر بخمس ركعات فليفعل ومن أحب أن يوتر بثلاث فليفعل ومن أحبّ أن يوتر بواحدة فليفعل"

وتر حق ہے، جو شخص پانچ رکعات وتر پڑھنا چاہے تو پڑھ لے، جو تین رکعات وتر پڑھنا چاہے تو پڑھ لے اور جو ایک رکعت وتر پڑھنا چاہے تو پڑھ لے۔

(السنن الصغریٰ للنسائی ۳/ ۲۳۸، ۲۳۹ ح ۱۷۱۳ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للنسائی: ۴۴۳)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایک صحابی نے ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا۔

(صحیح بخاری:۶۳۵۶)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک وتر پڑھا۔ (صحیح بخاری:۳۷۶۴)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ایک رکعت پڑھ کر فرمایا کہ یہ میرا وتر ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۵/۳ وسندہ حسن)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے آثار ہیں جن میں سے بعض آثار کو نیموی (حنفی) نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے۔ دیکھئے آثار السنن باب الوتر برکعۃ

ان آثار کی مخالفت کرتے ہوئے آلِ تقلید ایک وتر پڑھنا صحیح نہیں سمجھتے۔

۱۴) وتر سنت ہے

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لیس الوتر بحتم کا لصلوٰۃ ولکنہ سنۃ فلا تدعوہ'' نماز کی طرح وتر حتمی (واجب وفرض) نہیں ہے لیکن وہ سنت ہے پس اسے نہ چھوڑو۔

(مسند احمد ۱۰۷/۱ ح ۸۴۲ وسندہ حسن)

اس کے خلاف آلِ تقلید کہتے ہیں کہ وتر واجب ہے۔

۱۵) تین وتر دو سلاموں سے پڑھنا

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وتر کی ایک رکعت اور دو رکعتوں میں سلام پھیرتے تھے۔

(صحیح بخاری:۹۹۱)

آلِ تقلید اس طریقے سے وتر پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے۔

۱۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھنا

عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نے بسم اللہ بالجہر (اونچی آواز سے) پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۴۱۲/۱ ح ۴۷۵۷، شرح معانی الآثار ۱۳۷/۱ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۴۸/۲)

سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم سے بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھنا ثابت ہے۔ (دیکھئے جزء الخطیب وصححہ الذہبی فی مختصر الجہر بالبسملۃ للخطیب ص ۱۸۰ ح ۴۱)

ان آثار کے برعکس آلِ تقلید کے نزدیک نماز میں بسم اللہ جہر سے پڑھنا جائز نہیں ہے۔

تنبیہ: بسم اللہ سراً پڑھنا بھی صحیح اور جائز ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۱/۱۷۲ ح ۳۹۹)

۱۷) تکبیراتِ عیدین

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز پڑھی، آپ نے پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں پانچ۔

(موطأ امام مالک ۱/۱۸۰ ح ۴۳۵ وسندہ صحیح)

بارہ تکبیرات سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ثابت ہیں۔

(دیکھئے احکام العیدین للفریابی: ۱۲۸ وسندہ صحیح)

ان آثار کے مقابلے میں آلِ تقلید بارہ تکبیرات عیدین پر کبھی عمل نہیں کرتے۔

۱۸) بارش میں دو نمازیں جمع کرنا

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بارش میں دو نمازیں جمع کر کے پڑھ لیتے تھے۔

(دیکھئے موطأ امام مالک ۱/۱۴۵ ح ۳۲۹ وسندہ صحیح)

اس کے سراسر خلاف آلِ تقلید بارش میں دو نمازیں جمع کر کے پڑھنے کو کبھی جائز نہیں سمجھتے۔

۱۹) پگڑی پر مسح

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ عمامے پر مسح کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۲ ح ۲۲۴ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے عمامے پر مسح کیا۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۲۲ ح ۲۲۲ وسندہ حسن)

ان آثار سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص عمامے پر مسح کرنا چاہے تو جائز ہے۔ اس کے مقابلے میں آلِ تقلید کہتے ہیں کہ عمامے پر مسح جائز نہیں ہے۔

۲۰) سفر میں دو نمازیں جمع کرنا

سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سفر میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۵۷ ح ۸۲۳۵ وسندہ صحیح)

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی جمع بین الصلاتین فی السفر کے قائل تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۲/ ۴۵۷ ح ۸۲۳۴ وسندہ حسن)

ان آثار کے خلاف آلِ تقلید کہتے ہیں کہ سفر میں دو نمازیں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

۲۱) اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**کنا نتوضأ من لحوم الإبل**'' ہم اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۶ ح ۵۱۳ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید کہتے ہیں کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

تنبیہ: جس روایت میں آیا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اونٹ کا گوشت کھایا اور وضو نہیں کیا۔ (ابن ابی شیبہ ۱/ ۴۷ ح ۵۱۵) یہ روایت یحییٰ بن قیس الطائفی کی جہالتِ حال کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یحییٰ مذکور کو ابن حبان کے سوا کسی نے ثقہ نہیں کہا۔ **واللہ أعلم**

۲۲) نماز میں بآوازِ بلند ہنسنے سے وضو کا نہ ٹوٹنا

سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز میں بآوازِ بلند ہنسنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (دیکھئے سنن الدار قطنی ۱/ ۱۷۴ ح ۶۵۰ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید کہتے ہیں کہ نماز میں بآوازِ بلند ہنسنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۲۳) اپنی بیوی کا شہوت سے بوسہ لینا اور وضو؟

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**فی القبلة وضوء**''

بوسہ لینے میں وضو ہے۔ (سنن الدار قطنی ۱/ ۱۴۵ ح ۵۱۳ وقال: ''صحیح'' وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید کہتے ہیں کہ بوسہ لینے میں وضو نہیں ہے۔

۲۴) اپنا آلۂ تناسل چھونے سے وضو

سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''**من مس ذکره توضأ**''
جس نے اپنا آلۂ تناسل چھوا وہ وضو کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۶۴ ح ۱۷۳۶ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ جب اپنی شرمگاہ کو چھوتے تو وضو کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۶۴ ح ۱۷۳۳ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید کہتے ہیں کہ آلۂ تناسل چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

تنبیہ: جس روایت میں آیا ہے کہ ''یہ تیرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے'' وہ منسوخ ہے۔
دیکھئے اخبار اہل الرسوخ فی الفقہ والتحدیث بمقدار المنسوخ من الحدیث لابن الجوزی ص ۳ (ح ۵) اور الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ الآثار للحازمی (ص ۷۷)

۲۵) نماز کا اختتام سلام سے

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**مفتاح الصلٰوۃ الطھور واِحرامھا التکبیر وانقضاؤ ھا التسلیم**'' نماز کی چابی طہارت، اس کا احرام (آغاز) تکبیر اور اختتام سلام سے ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۶/۲ وسندہ صحیح)

اس کے برعکس آلِ تقلید کہتے ہیں کہ نماز سے خروج سلام کے علاوہ کسی اور منافیِ صلوٰۃ عمل سے بھی ہوسکتا ہے۔ مثلاً دیکھئے المختصر للقدوری (ص ۲۲ باب الجماعۃ)

۲۶) نمازِ جنازہ میں صرف ایک طرف سلام پھیرنا

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) ابن عمر رضی اللہ عنہ جب نمازِ جنازہ پڑھتے تو رفع یدین کرتے پھر تکبیر کہتے، پھر جب فارغ ہوتے تو دائیں طرف ایک سلام پھیرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۰۷/۳ ح ۱۱۴۹۱ وسندہ صحیح)

اس کے برعکس آلِ تقلید کے نزدیک نمازِ جنازہ میں صرف ایک طرف سلام پھیرنا صحیح نہیں ہے۔

۲۷) نمازِ جمعہ میں قراءتِ سورۃ الاعلیٰ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہنا

عمیر بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے: ''میں نے ابوموسیٰ (الاشعری رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جمعہ کے دن نماز پڑھی تو انھوں نے ﴿**سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی**﴾ کی قراءت کے بعد نماز ہی میں ''**سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی**'' پڑھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۵۰۸/۲ ح ۸۶۴۰ وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے ﴿**سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی**﴾ کی قراءت کے بعد ''**سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰی**'' پڑھا۔ (ابن ابی شیبہ ۵۰۹/۲ ح ۸۶۴۲ وسندہ صحیح)

اس کے برعکس آلِ تقلید کا اس پر عمل نہیں ہے بلکہ اُن کے عام امام نمازِ جمعہ میں سورۃ الاعلیٰ کی قراءت ہی نہیں کرتے۔

۲۸) نابالغ بچے کی امامت

سیدنا عمرو بن سلمہ صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے مجھے امام بنایا اور میں چھ یا سات سال کا (بچہ) تھا۔ (صحیح بخاری:۴۳۰۲)

اس کے خلاف آلِ تقلید کہتے ہیں کہ نابالغ بچے کی امامت مکروہ یا ناجائز ہے۔

۲۹) صف میں ساتھ والے کے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملانا

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ صف بندی کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه'' اور ہم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملاتا تھا۔ (صحیح بخاری:۷۲۵)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید اس عمل کی سخت مخالفت کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے ہٹ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

۳۰) نمازِ ظہر میں ایک آیت جہراً پڑھنا

حمید الطّویل رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ''صليت خلف أنس الظهر فقرأ ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى﴾ وجعل يسمعنا الآية''

میں نے انس (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے ظہر کی نماز پڑھی، آپ نے سورۃ الاعلیٰ پڑھی اور ہمیں ایک آیت سنانے لگے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۶۲ ح ۳۶۴۳ وسندہ صحیح)

آلِ تقلید اس کے قائل نہیں ہیں۔

۳۱) نماز میں دونوں ہاتھ زمین پر رکھ کر اُٹھنا

ابو قلابہ رحمہ اللہ نے سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: جب وہ دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے، بیٹھ جاتے اور زمین پر (ہاتھوں سے) اعتماد کرتے پھر کھڑے ہوجاتے۔ (صحیح بخاری:۸۲۴)

ازرق بن قیس رحمہ اللہ نے فرمایا: ''رأیت ابن عمر نهض فی الصلوٰة ویعتمد علیٰ یدیه'' میں نے ابن عمر (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا، آپ نماز میں اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر کھڑے ہوتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۹۵ ح ۳۹۹۶ وسندہ صحیح)

اس کے برعکس آلِ تقلید بغیر ہاتھ ٹیکنے کے اور بغیر بیٹھنے کے نماز میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۳۲) سورۃ الحج میں دو سجدے

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سورۃ الحج کی تلاوت فرمائی تو اس میں دو سجدے کئے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۱ ح ۴۲۸۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۳۱۷ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی سورۂ حج میں دو سجدوں کے قائل تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۳۱۷ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بھی سورۂ حج میں دو سجدے کرتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۳۱۸ وسندہ صحیح)

ان آثار کے مقابلے میں آلِ تقلید صرف ایک سجدے کے قائل ہیں اور دوسرے سجدے کے بارے میں کہتے ہیں: ''السجدة عندالشافعي''!

۳۳) نماز میں قرآنِ مجید دیکھ کر تلاوت کرنا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام رمضان میں قرآن دیکھ کر انھیں نماز پڑھاتا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۳۸ ح ۷۲۱۶ وسندہ صحیح، کتاب المصاحف لابن ابی داود ص ۲۲۱)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نماز پڑھتے تو ان کا غلام قرآن پکڑے ہوئے لقمہ دیتا تھا۔

(ابن ابی شیبہ ۲/۳۳۸ ح ۷۲۲۲ وسندہ حسن)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید کہتے ہیں کہ قرآنِ مجید دیکھ کر نماز پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

۳۴) فرض نماز کی اقامت کے بعد سنتیں اور نوافل پڑھنا

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''إذا أقيمت الصلوٰة فلا صلوٰة إلا المكتوبة'' جب نماز کی اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ دوسری نماز نہیں ہوتی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ۲/ ۲۷۶ح ۶۴۱۴۸ وسندہ صحیح)

اس کے خلاف آلِ تقلید صبح کی سنتیں پڑھتے رہتے ہیں اور فرض نماز ہو رہی ہوتی ہے۔

۳۵) خطبۂ جمعہ کے دوران میں دو رکعتیں پڑھنا

سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے خطبہ کے درمیان دو رکعتیں پڑھیں۔

(دیکھئے سنن الترمذی: ۵۱۱، وقال: ''حدیث حسن صحیح'' مسند الحمیدی: ۷۴۱ وسندہ حسن)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید کہتے ہیں کہ خطبہ کے دوران میں دو رکعتیں نہیں پڑھنی چاہئیں۔

۳۶) نمازِ مغرب کی اذان کے بعد فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا

سیدنا اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (دیکھئے مشکل الآثار للطحاوی، تحفۃ الاخیار ۲/ ۲۷۴ح ۹۱۳ وسندہ حسن)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۶۲۵)

اس کے سراسر برخلاف آلِ تقلید ان دو رکعتوں کے قائل و فاعل نہیں ہیں۔

۳۷) سفر میں پوری نماز پڑھنا

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں پوری نماز پڑھتی تھیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۴۵۲ح ۸۱۸۹ وسندہ صحیح)

اس کے برعکس آلِ تقلید کہتے ہیں کہ سفر میں پوری نماز جائز نہیں ہے۔

۳۸) نماز جنازہ جہراً پڑھنا

طلحہ بن عبداللہ بن عوف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے ایک جنازے پر سورۂ فاتحہ اور ایک سورت جہراً پڑھی پھر فرمایا: ''سنۃ و حق'' یہ سنت اور حق ہے۔ ملخصاً (سنن النسائی ۴/ ۷۴ح ۹۸۹ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں آلِ تقلید جہری نمازِ جنازہ کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں بلکہ سخت مخالفت کرتے ہیں۔

۳۹) نمازِ جنازہ کے بعد دوسری نمازِ جنازہ

عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے تقریباً تین دن بعد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی قبر پر جا کر نمازِ جنازہ پڑھی۔ (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۳۶۱ ح ۱۱۹۳۹ وسندہ صحیح)

اس کے خلاف آلِ تقلید کہتے ہیں کہ میت کی ایک نمازِ جنازہ ہونے کے بعد دوسری نمازِ جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے۔

۴۰) خون نکلنے سے وضو کا نہ ٹوٹنا

سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی کو تیر لگا، وہ نماز پڑھ رہے تھے، انھوں نے تیر نکالا اور نماز پڑھتے رہے... الخ

(سنن ابی داود: ۱۹۸ وسندہ حسن وصححہ ابن خزیمہ: ۳۶ وابن حبان، الموارد: ۱۰۹۳ والحاکم ۱/ ۱۵۶ ووافقہ الذہبی وعلقہ البخاری فی صحیحہ ۱/ ۲۸۰ قبل ح ۱۷۶)

اس کے برعکس آلِ تقلید کہتے ہیں کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۴۱) جمعہ کے دن نمازِ عید کے بعد نمازِ جمعہ ضروری نہیں ہے۔

سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے عید والے دن عید کی نماز پڑھائی اور اس دن نمازِ جمعہ نہیں پڑھائی۔ یہ بات جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے ذکر کی گئی تو انھوں نے فرمایا:
"أصاب السنة" انھوں نے سنت پر عمل کیا ہے۔

(سنن النسائی ۳/ ۱۹۴ ح ۱۵۹۳ وسندہ صحیح وصححہ ابن خزیمہ: ۱۴۶۵ والحاکم ۱/ ۲۹۶ علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی)

اس کے برعکس آلِ تقلید کہتے ہیں کہ اگر جمعہ کے دن عید ہو تو نمازِ عید اور نمازِ جمعہ دونوں پڑھنا ضروری ہیں۔

تقلید کے رد کے بعد نماز و طہارت کے بارے میں صحیح و ثابت آثارِ صحابہ کے ان چالیس حوالوں سے معلوم ہوا کہ آلِ تقلید (تقلیدی حضرات) اندھی تقلید کی وجہ سے نماز و طہارت کے مسائل میں بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال کی مخالفت کرتے ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۱ شعبان ۱۴۲۷ھ)

حافظ زبیر علی زئی

غیر مسلم کی وراثت اور فرقۂ مسعودیہ

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما میں رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے:

((**لا یرث المسلمُ الکافر ولا الکافر المسلم**))

مسلم، کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر، مسلم کا (وارث ہوتا ہے۔)

[صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۱ ح ۶۷۶۴، صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳ ح ۱۶۱۴]

اس حدیث کی تشریح میں امام نووی (متوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

" **وأما المسلم فلا یرث الکافر أیضاً عندجماهیر العلماء من الصحابة والتابعین ومن بعدهم** "

جمہور صحابہ، تابعین، اور ان کے بعد والوں کے نزدیک مسلم، کافر کا وارث نہیں ہوتا۔ [شرح صحیح مسلم للنووی ۳۳/۲]

صحیح بخاری میں ہے:

" **وکان عقیل ورث أبا طالب هو وطالب ولم یرثه جعفر ولا علي شیئًا لأ نهما کانا مسلمین وکان عقیل وطالب کافرین فکان عمر ابن الخطاب یقول: لا یرث المؤمن الکافر** "

اور ابو طالب (جو کہ غیر مسلم فوت ہوا تھا) کے وارث عقیل اور طالب بنے کیونکہ اُس وقت وہ دونوں کافر تھے۔ اور علی اور جعفر وارث نہیں بنے کیونکہ وہ اس وقت مسلمان تھے۔ عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) فرماتے تھے: کافر کا مومن وارث نہیں بن سکتا۔ [ج ا ص ۲۱۶ ح ۱۵۸۸]

امام عبدالرزاق الصنعانی (متوفی ۲۱۱ھ) نے صحیح سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے

روایت کیا: ''لا یرث المسلمُ الیهوديَّ ولا النصرانيَّ''..إلخ
مسلم، یہودی یا نصرانی کا وارث نہیں ہوتا۔ [مصنف عبدالرزاق ج٦ص١٨ ح٩٨٦٥]
سنن ابی داود وغیرہ میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((لا یتوارث أهل ملتین شتّٰی)) دو مختلف ملتوں والے آپس میں (کسی چیز میں بھی) وارث نہیں ہیں۔ [کتاب الفرائض باب ھل یرث المسلم الکافر، ح٢٩١١]
اسے ابن الجارود (٩٦٧) نے صحیح قرار دیا ہے۔ [نیز دیکھئے البدر المنیر لابن الملقن ٧/٢٢١]
شارحینِ حدیث اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں:
'' والحدیث دلیل علٰی أنه لا توارث بین أهل ملتین مختلفتین بالکفر أو بالإسلام والکفر وذهب الجمهور إلٰی أن المراد بالملتین الکفر والإسلام فیکون کحدیث: لا یرث المسلم الکافر'' إلخ
یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ دو مختلف ملتوں والے باہم وارث نہیں بن سکتے چاہے وہ دونوں کافر یا ایک مسلم اور دوسرا کافر ہو۔ اور جمہور اس طرف گئے ہیں کہ دو ملتوں سے مراد کفر اور اسلام ہے۔ پس یہ اس حدیث کی طرح ہو جاتی ہے جس میں ہے کہ مسلم کافر کا وارث نہیں ہوتا۔
جماعت التکفیر (فرقۂ مسعودیہ:٢) کے امیر دوم محمد اشتیاق صاحب یہ روایت پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلم کافر کا وارث ہو سکتا ہے۔ إنا لله وإنا إلیه راجعون
اس کے بعد وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول پیش کرتے ہیں:
''ہم (یعنی مسلمان) اُن (یعنی کفار) کے وارث ہوں گے۔'' الخ
[تحقیقِ مزید میں تحقیق کا فقدان ص١٥] **سبحان الله !**
کیا ''جماعت المسلمین رجسٹرڈ'' والوں کے نزدیک مرفوع حدیث اور جمہور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں صرف ایک صحابی کا قول حجت بنا لینا جائز ہے؟
اس کے بعد اشتیاق صاحب نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ایک فتویٰ بحوالہ ابن ابی شیبہ

(ج ۱۱ص ۴۷۴) نقل کر کے لکھا ہے کہ ''وسنده قوي''

اسے کہتے ہیں کان کو الٹی طرف سے پکڑنا۔ جب یہ اثر سنن ابی داود (ح ۲۹۱۲، ۲۹۱۳) وغیرہ میں موجود ہے تو ابن ابی شیبہ کا حوالہ کیا معنی رکھتا ہے؟

کان کو اُلٹی طرف سے ہاتھ لمبا کر کے پکڑنے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ابوداود وغیرہ کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اثر ابوالاسود نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے نہیں سُنا بلکہ ''رجل'' ایک (آدمی) سے سنا ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں:

''**هذا رجل مجهول فهو منقطع**'' یہ آدمی مجہول ہے۔ پس یہ روایت منقطع ہے۔

[السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۰۵، ۲۵۴، ۲۵۵]

حافظ ابن حزم الظاہری فرماتے ہیں:

''معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ)، معاویہ (رضی اللہ عنہ)، یحییٰ بن یعمر، ابراہیم اور مسروق سے مروی ہے کہ مسلمان کافر کا وارث ہو سکتا ہے اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔'' (المحلیٰ ج ۹ ص ۳۰۴)

اشتیاق صاحب یہ عبارت سمجھ نہیں سکے اور لکھ دیا:

''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ و ابراہیم و مسروق رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو روایت کیا ہے۔ (المحلیٰ ابن حزم ۹/ ۳۰۴)''

اس ''علم'' کی بنیاد پر اُمتِ مسلمہ کو کافر اور فرقہ پرست قرار دیا جا رہا ہے۔!

اس کے بعد موصوف نے السنن الکبریٰ للبیہقی (ج ٦ ص ۲۵۴) سے علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک اثر نقل کیا ہے جس کی سند میں سلیمان الاعمش ہیں جو کہ مشہور مدلس ہیں۔

[دیکھئے کتاب المدلسین للعراقی ص ۵۵ وعام کتب المدلسین]

اعمش یہ روایت ''عن'' کے ساتھ بیان کر رہے ہیں۔ موصوف نے متعدد روایات پر تدلیس کی وجہ سے جرح کی ہے۔ (دیکھئے ''تحقیقِ صلاۃ بجواب نمازِ مدلل'' ص ۲۷، ۱۰۰، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۰۸)

اس مضمون کے شروع میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اثر بحوالہ صحیح بخاری (۱۵۸۸) گزر چکا ہے کہ وہ اپنے غیر مسلم باپ کے وارث نہیں بنے۔

اشتیاق صاحب نے شرح السنۃ (ج ۵ ص ۳٦۵) سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کے آثار نقل کئے ہیں جو کتابِ مذکور میں بلا سند ہیں۔ علمی میدان میں بلا سند حوالوں کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔

اس کے بعد "امیر دوم" صاحب مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۱۱ ص ۳۷۱) سے ایک اثر نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ (مسلم) کی پھوپھی مرگئی اور وہ یہودیہ (کافرہ) تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اشعث رضی اللہ عنہ کو وارث قرار نہیں دیا "بلکہ عورت کے خاندان کو وارث قرار دیا"

عورت کے خاندان سے مراد اس کے کافر ورثاء ہیں۔ مصنف کے مذکورہ بالا صفحہ پر عمر رضی اللہ عنہ کا قول درج ہے: "**یرثها أهل دینها**"

اس عورت کے وارث اس کے ہم مذہب (یہودی ہی) ہیں۔

ان آثار کے غلط مفہوم و غلط استدلال کی بدولت اشتیاق صاحب مرفوع صحیح حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے مسلم کو غیر مسلم کا وارث قرار دینا چاہتے ہیں۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون**

آخر میں اشتیاق صاحب یہ متکبرانہ اعلان کرتے ہیں:

"اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ جماعت المسلمین کا مسئلہ ہے اور جماعت المسلمین اس مسئلہ سے نمٹنا اچھی طرح جانتی ہے۔ لہٰذا وقار صاحب آپ پریشان نہ ہوں۔" [تحقیق کا فقدان ص ۴٦]

اچھی طرح جاننے سے مراد صحیح مرفوع حدیث کو غیر ثابت آثار و اقوال سے رد کرنا ہے۔

اشتیاق صاحب کے مستدلات کا مردود ہونا اظہر من الشمس ہو گیا۔ لہٰذا یہ اعتراض اُن پر اور اُن کی جماعت پر قائم و دائم ہے کہ جب آپ غیر مسعودیوں کی تکفیر کر کے انھیں جماعت المسلمین سے خارج قرار دیتے ہیں اور عملاً انھیں غیر مسلمین ہی سمجھتے ہیں تو اُن کی وراثت کا حصول کیا معنی رکھتا ہے؟

یہ کون سا منزل من اللہ اسلام ہے؟ **وما علینا إلا البلاغ** (۳۱-۱۰-۱۹۹۷)

حافظ زبیر علی زئی

آلِ تقلید کی تحریفات اور اکاذیب

[ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی کی کتاب ''تحریف النصوص'' کا مقدمہ]

الحمدلله رب العالمین و الصلوٰة والسلام علیٰ رسوله الأمین،أما بعد:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ **اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ** ﴾

صرف وہی لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ [النحل:۱۰۵]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**وَ إِیَّاکُمۡ وَ الۡکَذِبَ**))

اور تم سب جھوٹ سے بچو۔ [صحیح مسلم:۱۰۵/۲۶۰۷]

ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کی باچھیں چیری جارہی ہیں۔ یہ عذاب اس لیے ہو رہا تھا کہ وہ شخص جھوٹ بولتا تھا۔

[دیکھئے صحیح البخاری:۱۳۸۶]

ان واضح دلائل کے باوجود بہت سے لوگ دن رات مسلسل جھوٹ بولتے، اکاذیب وافتراءات گھڑتے، سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، حالانکہ عام انسانوں کے نزدیک بھی جھوٹ بولنا انتہائی بُرا کام اور مذموم حرکت ہے۔

یاد رہے کہ حافظِ قرآن کا تلاوت میں بھول جانا، نادانستہ زبان وقلم سے کسی خلافِ واقعہ یا غلط بات کا وقوع، بھول چوک، کتابت یا کمپوزنگ کی غلطیاں جھوٹ کے زُمرے میں نہیں آتیں بلکہ جھوٹ اُسے کہتے ہیں جو جان بوجھ کر، کسی خاص مقصد کے لیے خلافِ واقعہ وخلافِ حقیقت بولا یا لکھا جائے۔

آلِ تقلید کے جھوٹ کی پہلی مثال

ماسٹر محمد امین اوکاڑوی دیوبندی حیاتی نے لکھا ہے:

''نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

(۲) یاایّہا الذِیْن اٰمنوا قیل لھُم کفُّوا اَیدیکم واَقیمُوا الصَلٰوۃ

اے ایمان والو اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو جب تم نماز پڑھو ''

[تحقیق مسئلہ رفع یدین، شائع کردہ ابوحنیفہ اکیڈمی فقیر والی ضلع بہاولنگر ص۶]

حالانکہ ان الفاظ کے ساتھ کوئی آیت قرآنِ مجید میں موجود نہیں ہے۔اس خودساختہ آیت کا اوکاڑوی ترجمہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ کتابت کی غلطی نہیں ہے۔

تنبیہ: ''تحقیق مسئلہ رفع یدین'' کے بعد والے مطبوعہ نسخوں سے یہ من گھڑت آیت اور اس کا ترجمہ اُڑا دیا گیا ہے مگر ہمارے علم کے مطابق اوکاڑوی صاحب کا اس صریح جھوٹ سے توبہ نامہ کہیں شائع نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

آلِ تقلید کے جھوٹ کی دوسری مثال

ابو بلال محمد اسماعیل جھنگوی دیوبندی حیاتی نے لکھا ہے:

''نبی کریم علیہ السلام تو ننگے سر آدمی کے سلام کا جواب تک نہیں دیتے۔ (مشکوۃ)''

[تحفۂ اہلحدیث حصۂ اول ص۱۳]

حالانکہ ان الفاظ یا مفہوم کے ساتھ کوئی حدیث بھی مشکوٰۃ یا حدیث کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے۔

آلِ تقلید کے جھوٹ کی تیسری مثال

عبدالقدوس قارن دیوبندی نے امام ابوحنیفہ کے جنازے کے بارے میں لکھا ہے:

''اور دوسری بات کرنے میں تو اثری صاحب نے بے تُکی کی حد ہی کر دی جب وہ ذرا ہوش میں آئیں تو ان سے کوئی پوچھے کہ کیا امام صاحبؒ کے جنازہ میں صرف

احناف شریک تھے؟ دیگر مذاہب (مالکی، شافعی اور حنبلی وغیرہ) کے لوگ شریک نہ تھے۔ جب وہ لوگ شریک تھے اور ان کے نزدیک قبر پر جنازہ پڑھنا درست ہے اور انھوں نے اپنے مذہب کے مطابق عمل کیا تو اس پر اعتراض کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے؟'' [مجذوبانہ واویلا طبع اول جون ۱۹۹۵ء ص ۲۸۹]

عرض ہے کہ امام ابوحنیفہ ایک سو پچاس ہجری (۱۵۰ھ) میں فوت ہوئے اور امام احمد بن حنبل ایک سو چونسٹھ ہجری (۱۶۴ھ) میں پیدا ہوئے۔ امام احمد کی پیدائش سے پہلے وہ کون سے حنبلی حضرات تھے جو قارن دیوبندی صاحب کے نزدیک امام ابوحنیفہ کا جنازہ پڑھ رہے تھے ؟

آلِ تقلید کے جھوٹ کی چوتھی مثال

''حدیث اور اہلحدیث'' نامی کتاب کے مصنف انوار خورشید دیوبندی نے لکھا ہے:

'' نیز غیر مقلدین کو چاہئے کہ گردن سے گردن بھی ملایا کریں کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کا بھی تذکرہ ہے لیکن غیر مقلدین نہ گھٹنے سے گھٹنہ ملاتے ہیں نہ ٹخنے سے ٹخنہ ملاتے ہیں اور نہ گردن سے گردن، صرف قدم سے قدم ملانے پر زور دیتے ہیں........'' [حدیث اور اہلحدیث ص ۵۱۹]

حالانکہ کسی حدیث میں بھی صف بندی کے دوران میں مقتدیوں کا ایک دوسرے کی گردن سے گردن ملانے کا تذکرہ نہیں آیا لہٰذا انوار خورشید صاحب نے یہ بہت بڑا جھوٹ بولا ہے۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن کی کچھ تفصیل میری کتاب ''اکاذیبِ آل دیوبند'' میں درج ہے۔

حبیب اللہ ڈیروی کی کتاب ''تنبیہ الغافلین''

حافظ حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی حیاتی نے ''تنبیہ الغافلین علیٰ تحریف الغالین'' نامی کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے بقلم خود ''غیر مقلدین کے تحریفی کارنامے'' جمع کئے ہیں۔

اس کتاب میں انھوں نے اپنے خیال میں اہلِ حدیث کی ''تحریفات'' پیش کی ہیں۔اس کتاب میں انھوں نے کتابت یا کمپوزنگ کی غلطیوں کو بھی ''تحریف'' بنا کر پیش کر دیا ہے۔

مثال نمبر (۱): جزء رفع الیدین للبخاری کے بعض مطبوعہ نسخوں میں ''**حدثنا عبید بن یعیش: ثنا یونس بن بکیر: أنا أبو إسحاق**'' لکھا ہوا ہے لیکن مخطوطۂ ظاہریہ میں صاف طور پر ''**حدثنا عبیدبن یعیش: ثنا یونس بن بکیر: أنا ابن إسحاق**'' لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے ص ۳، اور جزء رفع الیدین بتحقیقی: ٦

اس کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''بلکہ الشیخ فیض الرحمٰن الثوری غیر مقلد نے متن کو تبدیل کر دیا ہے مطبوعہ نسخہ میں ابن اسحاق کے بجائے ابو اسحاق تھا تو ابو اسحاق کو تبدیل کر کے ابن اسحاق بنا دیا۔'' [تنبیہ الغافلین علیٰ تحریف الغالین ص ۷۱ تحریف نمبر: ۱۰]

مثال نمبر (۲): جزء رفع الیدین کے قلمی نسخے (مخطوطۂ ظاہریہ) میں ایک راوی کا نام ''عمرو بن المہاجر'' لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے ص ۴، اور جزء رفع الیدین بتحقیقی: ۱۷

ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''جزء رفع الیدین ص ۵۷ میں عمر بن المہاجر تھا اس کو فیض الرحمٰن الثوری غیر مقلد نے تحریف وخیانت کرتے ہوئے عمرو بن المہاجر بنا دیا اور تعلیق میں لکھا۔''

[تنبیہ الغافلین ص ۷۱، تحریف نمبر: ۱۱] سبحان اللہ!

مثال نمبر (۳): جزء رفع الیدین کے مخطوطے میں ایک راوی کا نام ''ابو شہاب عبد ربہ'' لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے ص ۴، و جزء رفع الیدین بتحقیقی: ۱۹

اس کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''جزء رفع الیدین کے ص ۶۲ میں ابو شہاب بن عبد ربہ تھا اس کو ارشاد الحق غیر مقلد نے ابو شہاب عبد ربہ بنا کر متن کو بدل ڈالا۔''

[تنبیہ الغافلین ص ۷۲، تحریف نمبر: ۱۲] سبحان اللہ!

مثال نمبر (۴): جزء رفع الیدین کے بعض نسخوں میں ایک راوی کا نام ''قیس بن سعید'' اور قلمی نسخے میں واضح طور پر ''قیس بن سعد'' لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے مخطوطہ ص ۵، اور جزء رفع الیدین بتحقیقی:۲۲

اس کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''جزء رفع الیدین ص ۶۳ میں قیس بن سعید تھا مگر مولانا سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی غیر مقلد نے تحریف کرتے ہوئے متن تبدیل کر کے قیس بن سعد بنا دیا....'' [تنبیہ الغافلین ص ۲۷، تحریف نمبر:۱۳]

اس طرح کی اور بہت سی مثالیں ڈیروی صاحب کی اس کتاب میں موجود ہیں۔

ڈیروی صاحب نے کتابت کی غلطیوں اور ان کی اصلاح کو بھی تحریفات بنا ڈالا ہے۔!

ڈیروی صاحب کا کتابت اور کمپوزنگ کی غلطیوں کو ''تحریفات'' میں شامل کرنے کی چند اور مثالیں درج ذیل ہیں:

مثال اول (۱): یمن کے مشہور عالم قاضی محمد بن علی الشوکانی صاحبِ نیل الاوطار کی کتاب ''**القول المفید في أدلة الإجتهاد و التقلید**'' میں لکھا ہوا ہے:

" **و اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم** " [ص ۱۱]

یہاں ''**اطیعوا اللہ**'' سے پہلے ''وَ'' کتابت یا کمپوزنگ کی غلطی ہے جس کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت قاضی صاحب نے یہ اس آیت میں تحریف کر دی ہے واوَ کا اضافہ کر دیا ہے کیونکہ اصل آیت یوں تھی **یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ** مگر قاضی صاحب محرف قرآن مجید ہیں ہم غیر مقلدین کے حفاظ کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ کوئی ایسی آیت ڈھونڈیں جس میں اس آیت کے اندر **و اطیعوا اللہ**۔ تحریف کرنا یہودیوں کا کام ہے۔'' [تنبیہ الغافلین ص ۷۹ تحریف نمبر:۵۹]

کتابت کی غلطی پر اتنا بڑا فتویٰ لگانے والا حبیب اللہ ڈیروی اپنے پسندیدہ ''مولوی''

حسین احمد ٹانڈوی مدنی کی کتاب ایضاح الادلہ میں ایک جعلی ''آیت'' کے بارے میں لکھتا ہے:

''اب غیر مقلدین حضرات نے ایک آیت جو کاتب کی غلطی سے لکھی گئی تھی اس کو اچھالا....'' [تنبیہ الغافلین ص ۵۵]

اپنے پسندیدہ مولوی کا غلط حوالہ تو ''کاتب کی غلطی'' ہے جبکہ غیر دیوبندی عالم کی کتاب میں کاتب کی غلطی بھی ڈیروی کے نزدیک ''تحریف'' اور ''یہودیوں کا کام'' ہے، حالانکہ قاضی شوکانی کی اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے:

" یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعواالرسول واولی الامرمنکم..."

[القول المفید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید ص ۳۶]

معلوم ہوا کہ خود قاضی صاحب کے نزدیک اس آیت میں واو موجود نہیں ہے۔

مثال دوم (۲): حنفیوں و دیوبندیوں و بریلویوں کے نزدیک انتہائی معتبر کتاب الہدایہ میں ملا مرغینانی صاحب نے رکوع وسجود کی فرضیت پر ''ارشادِ باری تعالیٰ'' **وارکعوا واسجدوا** '' سے استدلال کیا ہے۔ دیکھئے الہدایہ ج ا ص ۹۸ باب صفۃ الصلوٰۃ

حالانکہ قرآنِ مجید میں واؤ یہاں موجود نہیں ہے۔

صاحبِ ہدایہ کے اس استدلال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے ﴿ **فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ** ﴾ کے بارے میں لکھا ہے:

''اس آیت سے علمائے احناف نماز میں مطلق قراءت کی فرضیت پر بالکل اسی طرح استدلال کرتے ہیں جیسے ''وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا'' الآیۃ سے رکوع اور سجدہ...''

[توضیح الکلام ج ا ص ۱۰۴ طبع اول مارچ ۱۹۸۷ء]

اس کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''اس میں ارشاد الحق صاحب نے **وارکعو** میں واؤ زائد کر دی ہے اور یوں قرآنِ مجید کی اصلاح کی ہے۔ **(لا حول ولا قوۃ الا باللہ)**

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں کس درجہ ہوئے فقیہان حرم بے توفیق ''

[تنبیہ الغافلین ص۱۰۹ تحریف نمبر:۱۰۸]

عرض ہے کہ واؤ کی یہ غلطی آپ کی کتاب ''ہدایہ شریف'' میں موجود ہے جسے اثری صاحب نے ''علمائے احناف'' کہہ کر بطورِ اشارہ ذکر کر دیا ہے۔ اس قسم کی کتابت یا کمپوزنگ والی غلطیوں سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ فلاں نے ''قرآن مجید کی اصلاح کی ہے'' انتہائی غلط ہے۔

تنبیہ: اثری صاحب نے توضیح الکلام کے طبعۂ جدیدہ میں ﴿ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾ لکھ کر صاحبِ ہدایہ کی غلطی کی اصلاح کر دی ہے۔ [دیکھئے ج ۱ ص ۱۱۶]

ایک لطیفہ:

حبیب اللہ ڈیروی صاحب نے ''وارکعو میں واؤ زائد کر دی ہے'' لکھ کر ارکعوا کا الف اُڑا دیا ہے یا اُن کے کمپوزر سے یہ الف رہ گیا ہے۔ یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ بشری سہو و خطا اور کتابت یا کمپوزنگ کی غلطیوں کو تحریف یا جھوٹ کہنا غلط حرکت ہے جس کا جواب ڈیروی صاحب اور اُن جیسوں کو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

اس طرح کی بہت سی مثالیں حبیب اللہ ڈیروی، ماسٹر امین اوکاڑوی اور آلِ تقلید کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ یہ لوگ کتابت یا کمپوزنگ کی غلطیوں کی بنیاد پر اہلِ حق کے خلاف پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔

عبدالحیٔ لکھنوی حنفی نے التعلیق الممجد (ص ۲۸۷) میں ایک روایت نقل کی ہے جس کے بارے میں ڈیروی صاحب لکھتے ہیں:

''مگر مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے آخر میں جرح کے الفاظ کاٹ دیئے ہیں اور تحریف کا ارتکاب کیا ہے۔ اور مولانا لکھنوی نے وہ جرم کیا ہے جو شوافع و غیر مقلدین بھی نہیں کر سکے۔'' [تنبیہ الغافلین ص۹۴ تحریف نمبر:۵۴]

اس تحریر میں ڈیروی صاحب نے اپنے مولوی عبدالحیٔ لکھنوی حنفی کی غلطی کو اہلِ حدیث کی ''تحریفات'' میں شامل کر دیا ہے۔ **سبحان اللہ**

قاری محمد طیب دیوبندی کا غلط حوالہ

قاری محمد طیب دیوبندی کہتے ہیں:

''اسی کے بارے میں وہ روایت ہے جو صحیح بخاری میں ہے کہ ایک آواز بھی غیب سے ظاہر ہوگی کہ: **هذا خليفة الله المهدی ، فاسمعو له واطيعوه۔**

''یہ خلیفۃ اللہ مہدیؑ ہیں ان کی سمع وطاعت کرو۔۔۔'' [خطبات حکیم الاسلام ج۷ص۲۳۲]

یہ روایت صحیح بخاری میں قطعاً موجود نہیں ہے بلکہ اسے ابن ماجہ (۴۰۸۴) اور حاکم (۴۶۳/۴، ۴۶۴، ۵۰۲) وغیرہما نے ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے یہی روایت (صحیح) بخاری سے منسوب کی ہے۔

(دیکھئے شہادت القرآن ص۲۹، روحانی خزائن ج۶ص ۳۳۷)

مرزا قادیانی کے اس حوالے کے بارے میں اوکاڑوی صاحب کا بیان سن لیں:

''یہ بخاری شریف پر ایسا ہی جھوٹ ہے جیسا مرزا قادیانی نے اپنی کتاب شہادۃ القرآن میں یہ جھوٹ لکھا ہے کہ بخاری میں حدیث ہے کہ آسمان سے آواز آئے گی **هذا خليفة الله المهدی**'' [تجلیات صفدر جلد۵ص۳۵ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان]

برادرم ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی حفظہ اللہ نے اس کتاب ''تحریف النصوص'' میں اہلِ تقلید کے وہ جھوٹ اور افتراءات جمع کر کے قارئین کی عدالت میں پیش کر دیئے ہیں جو تقلیدی حضرات نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے جان بوجھ کر گھڑے ہیں بلکہ کافی محنت کر کے اصل کتابوں سے فوٹوسٹیٹس (Photostats) پیش کر دی ہیں تاکہ ان لوگوں پر اتمامِ حجت ہو جائے۔ آخر میں مختصراً عرض ہے کہ ''تحریف النصوص'' میں آلِ تقلید کی دانستہ تحریفات ہی کو درج کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو متلاشیانِ حق کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور ڈاکٹر صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

وماعلينا إلاالبلاغ (۲۱ رجب ۱۴۲۷ھ)

حافظ زبیر علی زئی

الإسلام يَعْلُو وَلَا يُعْلٰى

اسلام مغلوب نہیں بلکہ غالب ہوگا

اللہ پر یقین کی حقیقت کمزوری اور مصیبتوں کے دور میں ظاہر ہوتی ہے۔ صاحبِ یقین وہ شخص نہیں ہے جو اسلام کی قوت، مسلمانوں کے غلبے اور فتح کی خوش خبریوں پر بہت زیادہ خوش ہو جائے، خوشی سے اُس کا چہرہ چمکنے لگے اور دل کُشادہ ہو جائے لیکن مسلمانوں کی کمزوری اور مصیبتوں کے وقت سخت پریشان ہو کر مایوس اور نا اُمید ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ پر سچا یقین رکھنے والے کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب مصیبتوں اور غم کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھا جائیں، اسلام دُشمن قومیں مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں، شدید تنگی اور مصائب چاروں طرف سے گھیر لیں تو اس کا اللہ پر یقین و ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ وہ ذرا بھی نہیں گھبراتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آخری فتح مسلمانوں کی ہے اور دینِ اسلام نے غالب ہو کر رہنا ہے۔ مجاہد کی ہر وقت یہی کوشش ہوتی ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا دین غالب ہو جائے لہٰذا اس عظیم مقصد کے لئے وہ ہمیشہ صبر و یقین پر کاربند رہتا ہے۔ حافظ ابن القیم فرماتے ہیں کہ ''میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: صبر اور یقین کے ساتھ دین کی امامت حاصل ہوتی ہے۔ پھر انھوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴾

اور ہم نے انھیں اپنے دین کی طرف رہنمائی کرنے والے امام بنایا کیونکہ وہ صبر کرتے تھے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔ (السجدۃ: ۲۴) ''

(مدارج السالکین لابن القیم ۲/ ۱۵۴ منزلة الصبر)

انسان کو سب سے اہم چیز جو عطا کی گئی ہے وہ یقین ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ

((وسلوا الله اليقين والمعافاة، فإنه لم يؤت أحد بعد اليقين خيراً من المعافاة))

اللہ سے یقین اور عافیت (صحت وخیریت) کی دعا مانگو کیونکہ کسی کو بھی یقین کے بعد عافیت سے بہتر کوئی چیز عطا نہیں کی گئی۔

(ابن ماجہ:۳۸۴۹ وسندہ صحیح، وصححہ ابن حبان، الاحسان:۹۴۸ والحاکم ۵۲۹/۱ ووافقہ الذہبی)

یہ امت صرف اس وقت تباہ و برباد ہوگی جب مسلمان دینِ اسلام کے لئے اپنی کوششیں ترک کر کے عمل کے بغیر ہی شیخ چلی جیسی اُمیدیں باندھ کر بیٹھ جائیں گے۔

اللہ ہی عالم الغیب ہے۔ ہمیں کیا پتا کہ کب مدد آئے گی اور کب خیر کا دور دورہ ہوگا؟ ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ ہماری اُمت اللہ کے اذن سے اُمتِ خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد ضرور فرمائے گا اگرچہ اس میں کچھ دیر لگ جائے۔

ہمیں معلوم نہیں کہ کون سی نسل کے ذریعے اللہ تعالیٰ مصیبتوں کی گھنگھور گھٹائیں دُور فرما کر اس اُمت کو سر بلند کر دے گا لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ ایک دن ایسا ضرور ہوگا۔

پیارے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ((**لا یزال اللّٰه یغرس في هٰذا الدین غرساً یستعملهم فیه بطاعته إلٰی یوم القیامة.**)) اللہ تعالیٰ قیامت تک دینِ اسلام میں ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو اس کی اطاعت کرتے رہیں گے۔

(ابن ماجہ:۸ وسندہ حسن وصححہ ابن حبان، الموارد:۸۸)

احادیثِ نبویہ میں بہت سی خوش خبریاں دی گئی ہیں جن سے یقین اور خوش اُمیدی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی میں سے اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی حکومت مشرق و مغرب تک پھیل جائے گی۔ دنیا میں ایسے بہت سے علاقے ہیں جو ابھی تک مسلمانوں کے ہاتھوں پر فتح نہیں ہوئے اور ایک دن ایسا آنے والا ہے جب یہ علاقے بھی فتح ہو کر مُلکِ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((**إن اللّٰه زوی لي الأرض فرأیت مشارقها ومغاربها وإن أمتي سیبلغ ملکها ما زُوي لي منها.**))

اللہ نے (ساری) زمین اکٹھی کر کے مجھے دکھائی، میں نے تمام مشرقی اور مغربی علاقے دیکھ

لئے۔ بے شک میری اُمت کی حکومت وہاں تک پہنچ جائے گی جو مجھے دکھایا گیا ہے۔
(صحیح مسلم:۲۸۸۹)

جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ اسلام نے دنیا میں غالب ہو کر رہنا ہے تو ہم کسی خاص دور میں مسلمانوں کی کمزوری پر کیوں نا اُمید ہوں؟

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**الإسلام یعلو ولا یعلیٰ**''

اسلام غالب ہوگا اور مغلوب نہیں ہوگا۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی ۲۵۷/۳ واسنادہ حسن، نیز دیکھئے صحیح بخاری ۲۱۸/۳ قبل ح ۱۳۵۴)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زبان سے خوش خبری دی ہے کہ

((ولا یزال اللہ یزید - أوقال: یعز الإسلام وأھلہ ، وینقص الشرک وأھلہ حتٰی یسیر الراکب بین کذایعنی البحرین -لایخشی إلا جوراً ولیبلغن ھٰذاالأمر مبلغ اللیل))

اللہ تعالیٰ اسلام کو زیادہ ہی کرتا رہے گا اور مشرکین اوران کے شرک میں کمی آتی رہے گی حتیٰ کہ سوار سفر کرے گا تو اُسے ظلم کے سوا کچھ ڈر نہیں ہوگا۔ اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ایک دن ایسا آئے گا جب یہ دین وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں یہ ستارہ نظر آتا ہے۔

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۱۰۷/۶، ۱۰۸ وسندہ صحیح، عمرو بن عبداللہ الحضرمی ثقہ وثقہ العجلی المعتدل وغیرہ)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی حکومت پھیلتی رہے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی خوش خبریاں دی ہیں جن سے ہر نا اُمیدی ختم ہو جاتی ہے اور مصیبتوں میں پھنسا ہوا ہر مسلمان ثابت قدم ہو جاتا ہے۔ خوشی اور راحت سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے: **((بشر ھٰذہ الأمۃ بالسناء والنصر والتمکین ..))** اس امت کو سربلندی، فتح اور (زمین پر) قبضے کی خوش خبری دے دو۔

(مسند احمد ۱۳۴/۵ ح ۲۱۲۲۳ وسندہ حسن، ربیع بن انس حسن الحدیث)

جہاد قیامت تک جاری رہے گا اور ایک گروہ قیامت تک ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔ اسے

مجموعی حیثیت سے نقصان پہنچانے والے ناکام رہیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ((لــن یبرح هٰذا الدین قائماً، یقاتل علیه عصابة من المسلمین حتیٰ تقوم الساعة.)) یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت قیامت تک دینِ اسلام کے دفاع کے لئے لڑتی رہے گی۔ (صحیح مسلم:۱۹۲۲)

اللہ کے نزدیک انسانوں والا پیمانہ اور ترازو نہیں ہے، اللہ کا پیمانہ اور ترازو تو مکمل انصاف اور عدل وحکمت والا ہے۔ بے شک بندوں کی کمزوری کے بعد اللہ انھیں قوت بخشتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: ((هل تنصرون وترزقون إلا بضعفائكم)) تمھاری مدد اور تمھیں رزق تمھارے کمزوروں کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔ (صحیح البخاری:۲۸۹۶)

مسلمان کو ہتھکڑیاں پہنا کر گھسیٹا جا رہا ہے، وہ زرد وغیرہ رنگوں کے قیدی لباس میں ملبوس ہے، دنیا کے کونے کونے میں پیچھا کر کے اُسے پکڑا جا رہا ہے، اس کے پاس (جدید) اسلحہ نہیں، وہ فقیر و بے بس ہے۔ اس کی دعا، نماز اور اخلاص کے ذریعے اللہ اس امت کی مدد فرمائے گا چاہے مسلمان جتنے بھی کمزور ہوں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((رُبّ أشعث مدفوع بالأبواب لو أقسم علی الله لأبرّه.)) بعض اوقات وہ آدمی جس کے بال پراگندہ اور لباس میلا ہے، دروازوں سے دھکے دے کر دور ہٹایا جاتا ہے اگر یہ شخص اللہ کی قسم کھا لے تو اللہ اسے پورا فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم:۲۶۲۲)

آج ہم دیکھتے ہیں کہ طاقت اور غلبہ مسلمانوں کے دشمنوں کے پاس ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اللہ ہی متصرف اور مختارِ کل ہے، وہ اپنے مومن بندوں سے غافل نہیں ہے۔ وہ یہ کبھی نہیں چاہے گا کہ مسلمان ہمیشہ مجبور و مقہور اور ذلیل رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((المیزان بید الرحمٰن، یرفع أقواماً ویخفض آخرین إلٰی یوم القیامة)) میزان رحمٰن کے ہاتھ میں ہے، وہ قیامت تک بعض قوموں کو اُٹھاتا ہے اور دوسروں کو گرا دیتا ہے۔

(ابن ماجہ: ۱۹۹ والنسائی فی الکبریٰ: ۳۸۷۷ وسندہ صحیح وصححہ ابن حبان: ۲۴۱۹ والحاکم ۱/ ۵۲۵ ووافقہ الذہبی)

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے گر جانے کے بعد ضرور اٹھائے گا بشرطیکہ مسلمان اسے راضی کرنے کے لئے سچے دل سے کوششیں کریں۔

ہر صدی میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کر کے مسلمانوں کے دلوں میں ایمان قائم کر دیتا ہے جو خیر میں مسابقت کرتے ہیں اور مصیبتوں کی پروا نہیں کرتے۔ لوگ ان کی اقتدا کر کے اللہ کے دربار میں جانوں کے نذرانے پیش کرتے ہیں۔ اللہ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو غلطیوں کی اصلاح کر کے لوگوں کو سیدھے راستے پر چلا دیں گے۔ یہ لوگ ہدایت کی طرف راہنمائی کریں گے اور کتاب وسنت کی دعوت پھیلا کر دین کی تجدید کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**إن اللـه يبعث لهٰذه الأمة علىٰ رأس كل مائة سنة من يجدّد لها دينها.**)) بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے ایسا انسان پیدا کرے گا جو (قرآن وحدیث کے مطابق) اس امت کی تجدید (واصلاح) کرے گا۔

(سنن ابی داود: ۴۲۹۱ وسندہ حسن)

تکلیف، ذلت اور مغلوبیت ایک دن ضرور دور ہوگی ان شاء اللہ، چاہے خیر میں مسابقت کرنے والوں کے ہاتھوں ہو یا مجددین کے ذریعے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ یہ مصیبتیں ہمیشہ نہیں رہیں گی۔

اسلام کے سارے دشمنوں سے اللہ کا اعلان جنگ ہے اور جس سے اللہ کا اعلانِ جنگ ہو تو اس سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟ دنیا میں ان دشمنانِ اسلام کی حکومت ایک دن ختم ہو جائے گی۔ حدیث قدسی میں آیا ہے:

((**من عادى لي ولياً فقد آذنته بالحرب**)) جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھتا ہے، میں اس سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ (صحیح البخاری: ۶۵۰۲)

آیئے ہم ایک دوسرے کو مصیبتوں پر صبر کی تلقین کریں اور تقدیر کے فیصلے پر رضامندی سے ثابت قدم رہیں۔ ہمیں نا اُمیدی پھیلانے کے بجائے فتح اور غلبۂ اسلام کی

خوش خبریاں پھیلانی چاہئیں۔

جولوگ طویل انتظار کی وجہ سے نحوستوں اور نا اُمیدی کا شکار ہیں، ان کی ''خدمت'' میں عرض ہے کہ جب صحابہ نے نبی ﷺ سے مصیبتوں اور سختیوں کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((**واللہ لیتمن ھٰذا الأمر ... ولکنکم تستعجلون**)) اللہ کی قسم! یہ کام (غلبۂ دین) پورا ہوکر رہے گا...مگر تم لوگ جلدی کرتے ہو۔

(صحیح البخاری:۶۹۴۳)

اللہ اپنے بندوں سے اس اعتماد و یقین کا مطالبہ کرتا ہے جس کا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے عملی مظاہرہ کیا۔ اللہ نے انھیں حکم دیا کہ ﴿**فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ**﴾ پھر اگر تجھے اس (موسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں ڈر لگے تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈر اور نہ غم کر۔ (القصص:۷)

انھوں نے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو (صندوق میں رکھ کر) دریا میں ڈال دیا اور وہ نہ تو ڈریں اور نہ غم کیا حالانکہ دریا تو چھوٹے سے دودھ پیتے بچے کے لئے انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا۔ یہ دودھ پیتا بچہ آخر کار اس دور کے سب سے بڑے طاغوت فرعون کے پاس پہنچ گیا جس نے اسے پالا اور پھر یہی بچہ اس کی ہلاکت کا سبب بنا۔ اللہ کی قدرت کے عجائب اسی طرح ظاہر ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے تین قسم کے ایسے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جن میں کوئی خیر نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: ((**ثلاثۃ لا تسأل عنھم .. ورجل شک في أمر اللہ والقنوط من رحمۃ اللہ**)) تین قسم کے لوگوں کے بارے میں نہ پوچھو...ایک آدمی جو اللہ کے فیصلے میں شک کرے اور اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔

(البخاری فی الادب المفرد:۵۹۰ واحمد ۱۹/۶ ح ۲۳۹۴۳ وسندہ حسن وصححہ ابن حبان، الاحسان:۴۵۴۱)

اسی لئے جب لوگوں کو شک اور نا اُمیدی کی بیماری لگ جائے تو وہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک اس سے توبہ کر کے اللہ پر اعتماد اور اس کی مدد و نصرت کا یقین

نہ کرلیں۔تقدیر پر ایمان وہ بہترین عقیدہ ہے جس سے یہ اعتماد ہوتا ہے کہ آخری فتح متقین کی ہوگی۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((**لكل شيء حقيقة وما بلغ عبد حقيقة الإيمان حتىٰ يعلم أن ما أصابه لم يكن ليخطئه وما أخطأه لم يكن ليصيبه**)) ہر چیز کی ایک حقیقت ہے اور بندہ اس وقت تک حقیقتِ ایمان تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اسے یقین کامل نہ ہو جائے کہ اسے جو مصیبت پہنچی ہے وہ ٹل نہیں سکتی تھی اور جو ٹل گئی ہے وہ کبھی پہنچ نہیں سکتی تھی۔ (احمد ۶/۴۴۱، ۴۴۲ ح ۲۷۴۹۰ وسندہ حسن وأخطأ من ضعفہ)

مسئلہ توقیتِ مقدور (تقدیر کا ایک خاص وقت مقرر رہے) اور اجل محدود (مقررہ وقت) کا مسئلہ ہے جو نہ تو کسی جلدی کرنے کی وجہ سے مقدم ہوتا ہے اور نہ کسی سستی کرنے والے کی وجہ سے مؤخر ہوتا ہے۔ایسے مضبوط عقیدے پر بے صبری کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور دل مطمئن ہو جاتا ہے کہ آخری انجام و فتح متقین کے لئے ہے۔

اگرچہ اُمت مسلمہ کمزوری کے دور سے گزر رہی ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ اللہ کی تقدیر سے ہے۔اللہ اس پر قادر ہے کہ گم شدہ عزت اور کھوئی ہوئی سرداری دوبارہ لے آئے۔انسانوں کی یہی شان ہے کہ کبھی بلندی اور کبھی پستی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: ((**مثل المؤمن كالخامة من الزرع تضيئها الريح مرة وتعدلها مرة**)) مومن کی مثال کھیتی کے پودے کی تازہ نکلی ہوئی ہری شاخ کی طرح ہے جسے ہوا کبھی جھکا دیتی ہے اور کبھی سیدھا کر دیتی ہے۔ (صحیح بخاری:۵۶۴۳ وصحیح مسلم:۲۸۱۰)

اہم ترین بات یہ ہے کہ ایک دن مومن ضرور کھڑا (اور غالب) ہوگا اور یہی اللہ کی سنتِ کونیہ (اور فیصلہ) ہے۔جب اسبابِ تقدیر پورے ہو جائیں گے تو ایک دن ایسا ضرور ہوگا۔ان شاء اللہ

اُممِ سابقہ کے بارے میں اللہ کا یہی طریقہ اور قانون جاری رہا ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**عُرضت علي الأمم فرأيت النبي ومعه الرهيط، والنبي ومعه الرجل والرجلان والنبي ليس معه أحد...**))

مجھے اُمتیں دکھائی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک نبی کے ساتھ کچھ لوگ ہیں۔ایک نبی ہے اوراس کے ساتھ ایک دوآدمی ہیں اور ایک نبی ہے جس کے ساتھ کوئی (اُمتی) بھی نہیں...

(صحیح مسلم:۲۲۰)

اس کے باوجود دعوت جاری رہی اور ہر زمانے میں جاری رہے گی چاہے جتنی بھی کمزوری ہو جائے۔کسی نبی پر یہ اعتراض قطعاً نہیں ہوسکتا کہ اُن کے ذریعے کوئی ہدایت یافتہ کیوں نہیں ہوا؟ حالانکہ انھوں نے دعوت میں اپنی پوری کوشش کی تھی۔ہدایت دینا تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔اسی طرح کسی مجاہد پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اسے فتح کیوں حاصل نہیں ہورہی؟ حالانکہ وہ اپنی استطاعت اور پوری کوشش سے جہاد میں مصروف رہا ہے۔

اعتراض صرف یہ ہے کہ ہم نے اسباب کے استعمال میں کمی کی اور کوشش میں کچھ نہ کچھ بخل اور کوتاہی سے کام لیا۔باقی اللہ کی مرضی ہے وہ جب چاہے جو چاہے کرتا ہے۔

جب شہیدوں کو یہ خوف ہوا کہ زندہ رہ جانے والے لوگ کمزوری کی وجہ سے کہیں جہاد سے پیچھے نہ رہ جائیں تو انھوں نے اپنے رب سے سوال کیا: ہمارے پیچھے رہ جانے والے بھائیوں کو یہ کون بتائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور ہمیں رزق دیا جاتا ہے؟ تاکہ لوگ جہاد سے پیچھے نہ رہیں اور میدانِ جنگ سے نہ بھاگیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((**أنا أبلّغهم عنكم**)) میں انھیں تمھاری یہ بات پہنچاؤں گا۔

(سنن ابی داود: ۲۵۲۰ وھو حدیث حسن، احمد ۲۶۶/۱ والحاکم ۸۸/۲، ۲۹۸ وانظر اثبات عذاب القبر للبیہقی بتحقیقی:۲۱۲،ابن اسحاق صرح بالسماع)

رات نے آخر ختم ہو جانا ہے اور دن کی روشنی چاروں طرف پھیل جائے گی۔خس وخاشاک بہہ جائے گا اور زمین میں وہ چیزیں رہ جائیں گی جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہیں۔

اللہ کی تقدیر کا یہ فیصلہ ایک دن برحق ثابت ہوگا کہ آخری فتح متقین ہی کی ہے۔

والحمد للہ رب العالمین

[ماخوذ مع اضافات وتحقیق از کتاب ''ھٰذہ أخلاقنا''] (۵ جولائی ۲۰۰۶ء)

حافظ شیر محمد

اُم المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے محبت

نبی کریم ﷺ کے پاس جبریلِ امین علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا:

'' فإذا هي أتتک فاقرأ علیها السلام من ربها و منّي و بشّرها ببیت فی الجنة من قصب، لا صخب فیه و لا نصب''

(اے اللہ کے رسول!) جب وہ (خدیجہ رضی اللہ عنہا) آپ کے پاس آئیں تو انھیں میری اور اللہ کی طرف سے سلام کہیں اور جنت میں موتیوں والے ایک محل کی خوش خبری دے دیں جس میں نہ شور ہوگا اور نہ کوئی تکلیف۔ (صحیح بخاری: ۳۸۲۰ و صحیح مسلم: ۲۴۳۲)

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((خیر نسائها مریم وخیر نسائها خدیجة))

عورتوں میں سب سے بہتر مریم (علیہا السلام) اور خدیجہ (رضی اللہ عنہا) ہیں۔

(صحیح بخاری: ۳۸۱۵ و صحیح مسلم: ۲۴۳۰/۶۹)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۳۸۱۶، ۳۸۱۸ و صحیح مسلم: ۲۴۳۴، ۲۴۳۵)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أفضل نساء أهل الجنة: خدیجة بنت خویلد وفاطمة بنت محمد و آسیة بنت مزاحم امرأة فرعون ومریم ابنة عمران))

جنتی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد (ﷺ)، فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم اور مریم بنت عمران ہیں۔ (مسند احمد ۱/۲۹۳ ح ۲۶۶۸ وسندہ صحیح وصححہ ابن حبان، الاحسان: ۷۰۱۰/۶۹۷۱ والحاکم ۲/۵۹۴، ۳/۱۶۰، ۱۸۵ ووافقہ الذہبی)

پہلی وحی کے بعد جب رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا: ''واللہ! ما یحزنک اللہ أبداً''

اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی غمگین نہیں کرے گا۔ (صحیح بخاری:۳ واللفظ لہ وصحیح مسلم:۱۶۰)

معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے۔

نبی کریم ﷺ کی چاروں بیٹیاں، فاطمہ، رقیہ، زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کی۔

نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بہت بڑا مقام ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی آپ کے بارے میں کہتے ہیں: ''زوج النبي ﷺ وأول من صدّقت ببعثته مطلقاً'' نبی ﷺ کی زوجہ جنھوں نے مطلقاً آپ کی نبوت کی تصدیق سب سے پہلے کی۔ رضی اللہ عنہا (الاصابہ ص ۱۶۷۱)

صغار تابعین میں سے امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أول امرأة تزوّجها رسول الله ﷺ خديجة بنت خويلد بن أسد بن عبدالعزیٰ بن قُصي، تزوجها في الجاهلية وأنكحه إياها أبوها خويلد بن أسد فولدت لرسول الله ﷺ القاسم، به كان يكنى والطاهر وزينب ورقية وأم كلثوم و فاطمة رضي الله عنهم''

پہلی عورت جس سے رسول اللہ ﷺ نے شادی کی خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی ہیں۔ آپ نے یہ نکاح بعثتِ نبوت سے پہلے کیا تھا۔ یہ نکاح خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے والد خویلد بن اسد نے کرایا تھا۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے آپ (ﷺ) کے دو بیٹے: قاسم، طاہر اور چار بیٹیاں: زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔ رضی اللہ عنہم قاسم کی وجہ سے آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔

(کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲۶۷/۳ وسندہ حسن، دلائل النبوۃ للبیہقی ۶۹/۲)